اُسوۂ حسنہ

مصائب سرور کونین ﷺ کا مفصل بیان



مولانا محمد ظفیر الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُسوۂ حسنہ

پروفیسر عبدالجبار شاکر یادگار سیرت کتاب نمبر 3

اسوۂ حسنہ

مولانا ظفیر الدین

کتاب سرائے
بیت الحکمت لاہور کا اشاعتی ادارہ
الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

بیاد
پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ
۱۹۴۷-۲۰۰۹

۱۴۳۳ھ.....۲۰۱۲ء

نام کتاب : اُسوۂ حسنہ
مصنف : مولانا ظفیر الدین
اہتمام : بیت الحکمت، لاہور
کمپوزنگ : الشیخ یعقوب 0300-4067636
مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز
کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، پاکستان
فون: 042-37320318 فیکس: 042-37239884
ای میل: kitabsaray@hotmail.com

نسیم کتاب
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

ترتیب

❁......❁......❁......❁

عرضِ ناشر

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام تر مخلوقات میں سے حضرت انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی آزمائش کے لیے اسے دنیا میں اُتارا پھر ازل سے ابد تک کے لیے نیکی اور برائی کے درمیان ایک آزمائش کے لیے مقررہ مدت تک زمین کو اس کا مسکن بنایا۔

اس کی تربیت اور اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام اور رسول مبعوث فرمائے جو اس کی شیطان کے پرفریب جالوں کی نشاندہی اور اُس سے بچنے کے طریقے بتاتے رہے۔ اُن انبیاء علیہم السلام نے اپنی ذات کو ہر عہد میں موجود لوگوں کے لیے رول ماڈل کے طور پر پیش کیا۔ وہ جد انبیاء ابراہیم علیہ السلام کا اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کرنا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو آرے سے چیرا جانا سیدنا یوسف علیہ السلام کی قید ہو، یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ کے اندر آزمائش ہو اور حتی کہ یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک آ پہنچا

نبی کریم ﷺ کی زندگی آزمائشوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

ان تمام انبیاء اور رسولوں نے بطور انسان ان آزمائشوں میں کس طرح عزیمت کا رویہ برقرار رکھا اور اپنے آپ کو حمد وثنا اور دین پر مضبوطی سے قائم رکھنا اور صبرو استقامت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے ہوئے، لوگوں کے درمیان اپنے رویوں کے ذریعے اصلاح وتبلیغ کا میدان سجائے رکھا۔

دنیا میں ہر انسان کو آزمایا جاتا ہے کچھ کو دے کر اور کچھ سے لے کر۔ انبیاء علیہم السلام دنیا کے عظیم ترین لوگوں میں سے تھے اس لیے اُن کی آزمائشیں اور مصائب بھی اس لحاظ سے بڑے تھے۔ لیکن انھوں نے ان آزمائشوں کو اپنے رب کی رضا سمجھ کر قبول کیا اور صبر کے ذریعے اللہ کو راضی رکھا۔ لیکن دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کو ہر حال میں فرض سمجھا اور ہر لحظہ اسی کو اپنی زندگی کا مقصد اولین قرار دیا اور اس پر ڈٹ گئے۔ ہم امت محمدیہ کے لوگ آخری امت اور آخری نبی کے امتی ہیں۔ ہمارے لیے نبی کریم ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔

جدید دور اور حالات کے منظر نامے میں مسلمانوں کے لیے آزمائش کا میدان مزید سخت ہو گیا ہے۔ ایک مومن مسلمان کے لیے دنیا آزمائشوں کی آماجگاہ ہے۔ جدید دور کی ترقی میں تمام قوتیں مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں مسلمان اپنے آپ کو مزید مظلوم سمجھتا ہے لیکن عمل میں استقامت نہ ہونے کے باعث آزمائشوں میں مزید اُلجھتا جاتا ہے۔

دین اسلام تمام زمینوں اور تمام زمانوں کے لیے رشد وہدایت کا پیغام ہے اور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اس کا عملی ظہور ہے۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہمیں کوئی تکلیف یا آزمائش آئے اور سیرت النبی ﷺ کے درخشاں باغیچے میں اُس کے حوالے سے کوئی معطر رویہ مشعل راہ اور اُسوۂ حسنہ بن کر ہمارے سامنے نہ آئے۔

زیر نظر کتاب اُسوۂ حسنہ آج سے نصف صدی قبل تحریر کی گئی اور فاضل مصنف نے

اُس دور میں مسلمانوں کوطویل اور زرو آور آزمائشوں میں گھرا دیکھ کر مسلمانوں کے سامنے اُسوۂ حسنہ کا بھولا ہوا سبق پیش کیا۔ آج بھی ہمارے لیے اس کتاب میں وہی بھولا سبق ہے جو ہر مسلمان کی زندگی کا قرینہ ہونا چاہیے۔

ہماری تمام مشکلات اور مصائب سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ اتباع سنت میں پوشیدہ ہے۔ جدید دور کی چمک دمک اور جدید نفسیات کی ترقی کے نام پر لوگوں کو مغربی طریقوں سے پرسکون اور مصائب سے نکلنے کے نت نئے طریقے متعارف کرائے جارہے ہیں Self-help کے نام پر نئی دکانیں سجائی جارہی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے مشعل راہ اور سلامتی ہے انسانیت کی معراج اُسوۂ حسنہ ﷺ پر عمل کرنے میں ہے اور جس طبقے یا گروہ نے اس سے اعراض کیا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام ونامراد رہے گا۔

زیرنظر کتاب ''اُسوۂ حسنہ'' میں فاضل مولف نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں مصائب آزمائشوں اور آلام کا ذکر کیا ہے اور اس کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے کہ ہم اس سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگیوں کو سنت کے پیرائے میں ڈھال سکیں۔ کتاب کا اسلوب نگارش انتہائی خوبصورت اور مبلغانہ پیرائے میں ہے۔

بیت الحکمت کے اشاعتی ادارے کتاب سرائے نے پروفیسر عبدالجبار شاکر یادگار سیرت کتاب کا جو سلسلہ شروع کیا ہے یہ اس سلسلے کی تیسری کڑی ہے اس سے پہلے ''کلکی اوتار اور حضرت محمد ﷺ'' اور ''مقالات سیرت طیبہ منعقدہ کانفرنس جامعہ سلفیہ بنارس'' شائع ہو چکی ہیں۔

اس سلسلے کا اصل مقصد ہم نے پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کے اسی جملے سے اخذ کیا ہے۔ کہ ''مسنون زندگی گزاریں اسی میں کامیابی ہے۔'' سیرت النبی ﷺ کے یہ جواہر پارے ہم اسی مقصد کے لیے لارہے ہیں کہ ہم لوگ جو اُسوۂ حسنہ اور سنت

نبوی ﷺ کا سبق بھول کر ترقی کے جدید اور نت نئے راستوں کے راہی بنتے جا رہے ہیں۔ یہ ہرگز ترقی نہیں بلکہ پستی کے راستے ہیں۔ اصل ترقی، کامیابی اور فلاح کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ اللہ کی بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس حوالے سے مزید کتابیں لانے کی توفیق دے اور اس کے اجر میں ہمارے والد گرامی محترم پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کو شامل فرمائے۔

آمین یارب العالمین

محمد جمال الدین افغانی

بیت الحکمت، لاہور

۳۱ مئی ۲۰۱۲ء

تعارف

از حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ایم اے، پرنسپل مدرسہ کلکتہ

قاعدہ ہے کہ انسان کسی اپنے ہم جنس کو مصیبت اور پریشانی میں مبتلا دیکھتا ہے تو خود اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء جس نے اپنے دو بھائیوں صخر اور معاویہ کے مرثیے اس سوز و گداز سے کہے ہیں کہ عربی شاعری میں آج تک اُس کا نام روشن ہے، کہتی ہے:

وَلَوْلَا الْأَسِىْ مَا عَشْتَ فِي النَّاسِ سَاعَةً
وَلٰكِنْ إِذَا مَا شِئْتُ جَادَبَنِي مِثْلِي

"اگر ایک دوسرے کو دیکھ کر صبر نہ آجایا کرتا، تو میں ایک گھڑی بھی زندہ نہ رہتی، لیکن جب میں مرنے کا ارادہ کرتی ہوں تو میرا ہی جینا مصیبت زدہ آدمی کی طرح جواب دیتا ہے، یعنی میرے سامنے آجاتا ہے اور اس سے مجھ کو تسکین ہو جاتی ہے۔"

یہ غم اس وقت اور بھی ہلکا ہوتا ہے، جب اپنے سامنے دنیا کی کوئی عظیم الشان شخصیت آجائے اور اس کی نسبت ہم کو یہ معلوم ہو، کہ وہ اپنی عظمت وجلالتِ شان کے باوصف ہم سے بھی زیادہ آلام روزگار اور مصائب وحوادث کا شکار رہی ہے۔

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب نے جو اپنی دو تین سنجیدہ اور مفید کتابوں اور مقالات

کی وجہ سے غیر متعارف نہیں ہیں، مسلمانوں کی موجودہ پریشان حالی کو دیکھ کر یہ کتاب اسی لیے لکھی ہے کہ مسلمان اِس سے عبرت وموعظت حاصل کریں، اور یہ محسوس کریں کہ جب سرورِ کونین ﷺ بھی مصائب وآلام سے محفوظ نہیں رہے، تو پھر ہما شما کا تو ذکر ہی کیا ہے، اور جس طرح آنحضرت ﷺ نے مصائب وحوادث کے باوجود ادائے فرض اور ثبات واستقلال کا دامن کبھی نہیں چھوڑا، اسی طرح ہم کو بھی لیل ونہار کی اس گردش سے گھبرا کر اپنے اسلامی فرائض واجبات سے غافل نہیں ہوجانا چاہیے، آخر آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید میں جو''اسوۂ حسنہ'' کہا گیا ہے، تو اس کا مطلب یہ بھی تو ہے کہ آپ ﷺ ہر معاملے میں اور زندگی کے ہر نشیب وفراز میں ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں، یہ تمام واقعات جو اس کتاب میں درج ہیں، سیرت کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہوئے ہیں، موصوف نے انھیں خوش سلیقگی اور عمدگی سے مستند حوالوں کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی یہ سعی مشکور فرمائے، اور مسلمانوں کو اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو۔

سعید احمد اکبر آبادی

۳۰/مارچ ۱۹۵۶ء

اُسوۂ نبوی ﷺ

زیرِنظر کتاب میں پہلے مصائب النبی ﷺ کو بطور اسوہ پیش کیا گیا ہے، چنانچہ اس کا نام بھی پہلے "مصائب سرورِ کونین ﷺ" تجویز ہوا تھا، مگر بعد میں "اسوۂ نبوی ﷺ" کے نام سے اشاعت مناسب معلوم ہوئی اور یہی نام موزوں بھی ہے، مگر نام کا تقاضا ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کے دوسرے تمام پہلو بھی بطور اسوہ پیش کیے جائیں۔ الحمد للہ یہ کام بھی شروع کر دیا ہے، اور اس کا دوسرا حصہ جلد ہی پیش کیا جا سکے گا، جو اسوۂ نبوی ﷺ کے بقیہ پہلوؤں پر ان شاء اللہ مکمل طور پر حاوی ہوگا۔

"مصائب سرورِ کونین ﷺ" کی ترتیب کا حکم حضرت سید گیلانی رحمہ اللہ کی زبانِ قلم نے سنایا تھا، عرصہ تک اس طرف توجہ کی نوبت نہیں آئی، پھر تذکرہ آیا تو اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا گیا، نقشِ اول تیار ہو چکا، تو خدمت اقدس میں پیش کیا گیا، اصلاح اور اپنی یہ رائے لکھ کر واپس فرمایا "ابھی محنت کی ضرورت ہے۔"، چنانچہ کئی سال تک پھر اس سلسلے میں محنت کی گئی، نقشِ ثانی پر نظر ثانی کا وقت آیا، تو علامہ گیلانی مرحوم بیمار تھے، مگر میری درخواست کے جواب میں تحریر فرمایا:

"آپ نے نظر ثانی کے لیے فرمایا ہے، بحمد اللہ کہ اب آپ کا قلم اصلاح و ترمیم کی ضرورت سے مستغنی ہو چکا ہے، مگر عزیزوں کی خاطر شکنی بھی برداشت نہیں،

بھیج دیجیے، دیکھنے کی سعی کروں گا۔"

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی علالت کے پیش نظر یہ مسودہ پہلے اپنے شفیق وکریم مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم، اے، پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ کی خدمت میں حاضر کیا، مولانا موصوف نے تعارف لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی، اب یہ مسودہ لے کر ذوق وشوق کے ہاتھوں حضرت علامہ گیلانی رحمہ اللہ کی خدمت بابرکت میں روانہ ہوا، مگر آہ کیا معلوم تھا دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم المرتبت خادم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق جاں نثار "مصائب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھنے کی تاب نہ لاکر پہلے ہی چل بسے گا۔ "کہف ایمانی" میں اس طرح داخل ہوا، کہ پوری فضا سوگوار تھی، اور ابھی ابھی ایک گھنٹہ پہلے جسد(۱) مبارک سپرد خاک کیا جا چکا تھا، اور اس طرح مؤلف کی ساری تمنائیں خاک میں مل چکی تھیں۔ (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)

خاکسار نے اپنی محنت اور کدوکاوش کی حد تک کوتاہی نہیں کی ہے ہاں اس کا اعتراف ہے اختصار پیش نظر رہا ہے، تاکہ ہر شخص پڑھ سکے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر محنت کو قبول فرمائیں اور دارین کی سعادت کا ذریعہ بنائیں (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)

اس موقع سے اپنے ان بزرگوں اور اساتذۂ کرام کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت ومحبت اور امتنانِ تشکر پیش کرتا ہوں، جن کی نگاہِ لطف وکرم اور ذرہ نوازی نے خاکسار کو آدمی بنایا، دعا ہے کہ جو زندہ ہیں ان کا سایۂ عاطفت تادیر قائم رہے، اور جنھوں نے سفر آخرت فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین!

محمد ظفیر الدین غفرلہ
ریاست منزل، سانحہ ضلع مونگیر
۲۱ رمحرم الحرام ۱۳۷۶ھ

---

(۱) علم وعمل کا یہ آفتاب ۵ رجون ۱۹۵۶ء یوم سہ شنبہ چھ سات بجے صبح کو غروب ہوگیا:
ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

زندگی نہ ہوتی تو کچھ نہ ہوتا، لیکن زندگی پا کر، جہاں اس کی لذتوں اور مسرتوں سے ہم مستفید ہو رہے ہیں وہیں ان کانٹوں کی خلش اور چبھن سے بھی ہم میں سے کوئی مستثنیٰ نہیں، جن کو ہم ''مصائب و آلام'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، سچ پوچھیے، تو اپنی مسرتوں اور لذتوں کے لحاظ سے زندگی کا موجودہ دور اگر نعمت ہے تو مصیبتوں اور دکھوں سے بھری ہوئی اس زندگی کا اختتام بھی ہر جینے والے کے لیے ایک ایسی نعمت ہے جس کا گن نہ گانے والا مستحق ہے، کہ ناشکروں میں شمار کیا جائے ارشاد ربانی:

﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ﴾

(الحج۲۲:۶۶)

''اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی، پھر تم کو موت دے گا پھر زندہ کرے گا، واقعی انسان بڑا بے قدر ہے۔''

میں حیات کے ساتھ موت کی نعمت کو نعمت نہ سمجھنے والوں کے لیے ''لکفور'' (سخت ناشکرا) کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے شاید اس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

بہرحال راحتوں کے ساتھ زحمتوں اور سہولتوں کے ساتھ مصیبتوں کی دشواریاں

اگر چہ زندگی کی عام خصوصیت ہے، لیکن کبھی افراد ہوں، یا اقوام، ان پر راحت و زحمت، سکھ دکھ کی ان دو متوازی کیفیتوں میں سے کسی ایک کیفیت کا استیلاء کچھ اس طور پر ہو جاتا ہے، کہ ہم اس حال کو زندگی کا غیر معمولی دور قرار دے سکتے ہیں۔

آج ''امت اسلامیہ'' خصوصاً سرزمینِ ہند پچھلے چند برسوں سے کچھ ایسے جگر خراش، زہرہ گداز حالات سے گزر رہی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک حیران ہے اور پوچھتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور اسباب خواہ کچھ ہی ہوں، اصل سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟

بجائے دماغی مشوروں کے مناسب معلوم ہوا کہ جس اسلام کی طرف منسوب ہو کر یہ امت ''امتِ اسلامیہ'' کہلاتی ہے اسی اسلام کی تاریخ کے چند عملی و علمی اسباق پیش کر دوں، جن سے چاہا جائے، تو شاید حالات حاضرہ کے متعلق پیدا ہونے والے سوالوں کے جوابوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے[1]۔

❋......❋......❋......❋

(۱) یہ پہلا صفحہ بطور تمہید علامہ گیلانی مدظلہ کا لکھا ہوا ہے، خاکسار کی عبارت نکال دی گئی ہے۔

مصائب و آلام نبوت سے پہلے

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اول المسلمین اپنے آقا و سردار محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا جائزہ لے، آپ ﷺ کی پوری زندگی مصائب کے ہجوم میں گھری نظر آتی ہے، زندگی کی کوئی منزل بھی ان سے مستثنیٰ نہیں، پھر مصیبتیں بھی مختلف قسموں کی ہیں۔

داغ یتیمی

ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ابھی مادرِ شکم میں ہیں کہ ظاہری مصائب کا ایک کوہِ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے، باپ کے سایہ سے بڑھ کر دوسرا دنیاوی سایہ اور کون سا ہوسکتا ہے؟ باپ کا قلب بیٹے کی قدرتی محبت سے معمور اور لبریز ہوتا ہے، اس کی رگ رگ میں اپنے گوشۂ جگر کے لیے بے پناہ محبت و مودّت ودیعت ہوتی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں سراپا درد و محبت ہی ہوتا ہے، مگر یہ ایک واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے آپ ﷺ کے والد ماجد کا انتقال ہوجاتا ہے، زمین پر آپ ﷺ قدم رکھتے ہیں، اور معاً یتیمی کا داغ آپ ﷺ کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جو بھی دیکھتا ہے، اس کا دل وفورِ محبت سے بھر آتا ہے، اور تھوڑی دیر اس معصوم بچے کی یتیمی پر سر جھکا کر سوچتا ہے، اور وہ اپنے اندر ایک گونج محسوس کرتا

ہے کہ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو اس کو کس قدر خوشی ہوتی، اور وہ بیٹے کے لیے کیا کچھ نہ کرتا۔

عرب کے دستور کے مطابق اطراف وجوانب کی دیہاتی انائیں (دودھ پلانے والی عورتیں) اپنے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر شہر میں داخل ہوئیں، اور بچوں کی تلاش شروع ہوگئی، اور چاہتی ہیں کہ ایسے بچے ملیں جن کے والدین خوشحال ہوں، زندہ ہوں، اور بیٹے پر اپنی جان دیتے ہوں تاکہ انعام واکرام کی فراوانی حصے میں آئے، اور وہ ہمارے گھر کو دولت سے بھر دیں۔

یتیم بچے کے ذمہ داری میں کوئی خاص فائدہ نہیں، بیوہ ماں کیا کرے گی اور کوئی تعجب نہیں عرب کے رسم ورواج کی لعنتوں میں یہ لعنت بھی ان کے دلوں میں کھٹک پیدا کر رہی ہو، کہ یتیم ہوجانا فالِ بد ہے، پھر اس سے بچنا ہی اچھا ہے اور شاید یہی ہوا بھی، کہ سب انائیں باپ والے بچوں کو لے کر چلتی بنیں۔

یہ غریب حلیمہ سعدیہ البتہ ایسی بچ گئیں، جن کو اب تک کوئی بچہ نہ مل سکا۔ یہ آمنہ خاتون کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان کے یتیم بچے کے بارے میں گفتگو کرنے لگیں، آمنہ خاتون نے ہر طرح ان کو انعام واکرام کا اطمینان دلایا، ادھر بچے کی موہنی صورت نے بھی حلیمہ کے دل کو موم کر دیا، دمکتا چہرہ، ہنستا مکھڑا، جو دیکھے چاہے ذرا پیار کرلیں، عجیب کشش، بے پناہ جاذبیت، پھر تو دیکھتے ہی دیکھتے حلیمہ اس جنت نگاہ پر جان دینے لگیں۔

یتیمِ ہاشمی کی رضاعت نے حلیمہ سعدیہ کی قسمت کو چار چاند لگادیئے ، اور آنحضرت ﷺ کے صدقے میں رہتی دنیا تک ان کا نام تاریخ میں محفوظ ہوگیا اور اس طرح انھوں نے دوامی شہرت پالی۔

اُسوہ حسنہ

غور کیا جائے سرورِ کونین ﷺ کو دنیا میں قدم رکھتے ہی جن صبر آزما حالات سے دوچار ہونا پڑا، وہ کس قدر حوصلہ شکن اور تکلیف دہ تھے، بچپن کے ابتدائی ایام ہیں، اور

آپ ﷺ کی پیاری ماں پر غم والم کا پہاڑ اچانک بیوگی کی شکل میں ٹوٹ پڑا ہے، ہر وہ انسان جس کے پہلو میں دل ہے، وہی اس سوگوار دلہن کی سوگواریوں کا اندازہ کرسکتا ہے، اور سوگوار ماں کا جو اثر معصوم بچے پر بالواسطہ پڑسکتا ہے، اپنا خیال ہے اس کو سوچ کر کوئی عقل مند آبدیدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آنحضرت ﷺ کے اس حصۂ زندگی میں ان یتیموں، بیواؤں اور مصیبت زدوں کے لیے سبق ہے جن کو اس دور سے گزرنا پڑ رہا ہے، وہ بار بار اس دلگداز واقعہ کو پڑھیں اور صبر وتحمل کا درس حاصل کریں۔

مادرِ مہربان کی دائمی مفارقت

بہرحال والد محترم کی وفات کی بعد، آپ ﷺ کی پدری یتیمی پر چند سال بھی گزرنے نہ پائے تھے، اور ماں کی مامتا اور محبت کا تجربہ جیسا چاہیے ابھی نہیں ملا تھا، کہ ہمیشہ کے لیے قدرت کا ہاتھ اس دروازے کو بھی بند کر دیتا ہے، اور ننھا منا معصوم یتیم بچہ ماں کی آغوشِ شفقت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

ابواء نامی گاؤں میں مدینہ سے واپس ہوتے ہوئے طاعون (پلیگ) میں مبتلا ہو کر حضرت آمنہ خاتم المرسلین ﷺ کی مادرِ مہربان دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ اور اپنے چہیتے اکلوتے یتیم بیٹے کو زندگی کی چھٹی منزل میں بے یار ومدگار چھوڑ دیتی ہیں۔

دنیا جانتی ہے کہ بچے کی یہ عمر کس قدر قابلِ رحم ہوتی ہے، یہی زمانہ ہے، جس میں بچہ صحیح معنی میں ماں کی شفقت ومحبت سے لطف اندوز ہوتا ہے، آج کی ذرا سی دل شکنی زندگی بھر زخم کو ہرا رکھ سکتی ہے، اور آج کی معمولی چوٹ زندگی کے اخیر دن تک حزن وملال کا مرقع بنا سکتی ہے۔

اُسوہ حسنہ

مگر دیکھیے یہ رسول الثقلین ﷺ کا بچپنا ہے، آپ ﷺ کی عقل وشعور کی ابتدائی اور پہلی منزل کہاں سے شروع ہوئی ہے؟ اس دنیا میں معصوم بچوں کی نگرانی جیسا ماں کرسکتی ہے، کسی اور کے بس کی بات نہیں، لیکن آہ یہاں ماں کا سایہ بھی چھٹی ہی منزل میں اٹھ جاتا ہے۔

اس واقعہ میں اُن بچوں کے لیے صبر کی تلقین ہے جن کی پیاری مائیں ننھی سی عمر میں ان کو چھوڑ کر چل بستی ہیں، اور جن کا مادری سایہ اس نازک وقت میں چھن جاتا ہے جب بچوں کو ماں کی قدم قدم پر ضرورت ہوا کرتی ہے، اور ماں کے سہارے کے بغیر ان کی زندگی بے کیف معلوم ہوتی ہے۔

دادا کی آغوشِ تربیت میں

آنحضرت ﷺ ماں اور باپ دونوں کے سایہء عاطفت سے جب محروم ہوجاتے ہیں تو بوڑھے دادا پر یہ غم اندوز واقعہ بجلی بن کر گرتا ہے، اور عبدالمطلب آپ ﷺ کے جدّ امجد اس یتیم پوتے کو اپنی پرورش میں لیتے ہیں، آپ ﷺ کے دادا کا عجیب حال ہوتا ہے۔ انسانی قلب سینہ میں جلنے بھننے لگتا ہے، ایک طرف چہیتے بیٹے عبداللہ کی یاد ستاتی ہے اور دوسری طرف اپنی بہو کو یاد کر کے آبدیدہ ہوجاتے ہیں، اور یہ چاند سا بچہ جس کا نام محمد ﷺ ہے، اور جس کو کوئی احمد کہہ کر پکارتا ہے، ان پر جونہی نگاہ پڑتی ہے غم والم کا اتھاہ سمندر امنڈ آتا ہے، وہ سوچتے ہیں میرا یہ پوتا کیسی قسمت لے کر آیا ہے؟

دادا کی آغوش محبت سے محرومی

کوئی شبہ نہیں کہ دادا نے اپنے اس لاڈلے یتیم پوتے کو بیٹے کا درجہ دیا اور اپنی محبت کی آماجگاہ بنالیا، اور جتنی دل دہی، حوصلہ افزائی اور دیکھ بھال کر سکتے تھے اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونے دی، تاکہ پوتے کو پرانا غم چھیڑ کر ستانے نہ پائے مگر آہ کس کو معلوم تھا کہ یہ دوسرے درجے کی محبت کی عمر بھی بہت کم ہے، آسمان اور زمین والوں نے دیکھا کہ عمر کی آٹھویں منزل میں پہنچا کر دادا بھی رخصت ہوگئے۔ دادا کا غم تو بلاشبہ ختم ہوگیا مگر پوتے پر رنج والم کا ایک اور پہاڑ اچانک ٹوٹ پڑا۔

یہ مسلسل مصائب وآلام کے دل گداز واقعات ہیں، جو سید الکونین ﷺ کو اسی چھوٹی سی عمر میں پیش آرہے ہیں، اور اُنس ومحبت کے قدرتی سرچشمے یکے بعد دیگرے اس تیزی سے بند ہوجاتے جارہے ہیں، جو زمانہ بچے کی مسرت اور بے فکری کا تھا، ساری مصیبتیں زندگی کے اسی حصے میں سامنے آرہی ہیں۔

اُسوہ حسنہ

زندگی کی آٹھویں منزل بچپن کا شباب کہلاتی ہے، مگر دیکھ رہے ہیں اسی شباب کے عالم میں بچے کے خرمنِ مسرت پر بجلیاں گر گر کر خاکستر بنا رہی ہیں، بچے کی ساری کائناتِ محبت لٹ چکی، اس کے سارے ظاہری سہارے ایک ایک کر کے گر چکے، انسانی دماغ یہاں پہنچ کر شاید ماؤف ہو جائے اور انسانی عقل وخرد اس کے مستقبل پر رائے زنی کرنے سے انکار کر دے مگر تاریخ گواہ ہے کہ اس نے آگے جا کر دنیا کو رحمت سے مالا مال کر دیا۔

نسلِ انسانی کے برگزیدہ ترین فرد کی زندگی کی ابتدائی منزل کا یہ دردناک مرقع سچ پوچھیے تو انھی حوادث کے شکار ہونے والے یتیموں کے زخم کا مرہم ہے، ایسے یتیموں کے لیے رحمتِ عالم ﷺ کی زندگی کا یہ حصہ خوب غور وفکر سے پڑھنے کے لائق ہے۔

ابوطالب کی تربیت میں

دادا کی متاعِ حیات لٹ جانے کے بعد آنحضرت ﷺ کی تربیت جس بزرگ کے سپرد کی جاتی ہے وہ بظاہر مالی اور معاشی مشکلات میں مبتلا ہیں، جن کے پاس خاندانی شرافت وعظمت تو ضرور ہے، مگر دنیا کی سرمایہ داری نہیں، یعنی آپ ﷺ کے چچا ابوطالب آپ ﷺ کے ظاہری سرپرست قرار پائے، قدرت کی یہ کرشمہ سازی ہے، ورنہ مکہ کے مشہور ساہوکار ابولہب گھر ہی میں موجود ہیں، اور یہ بھی چچا ہیں، اور ایسے چچا کہ جب ابولہب کو خبر پہنچی کہ میرے بھائی کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے تو اس نے اس خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا اور اس طرح اپنی بے انتہا مسرت کا اظہار کیا تھا۔

معاشی پریشانیاں

ابوطالب کی سرپرستی میں آنے کے بعد بھی چین نصیب نہ ہوا، آنحضرت ﷺ نے اُجرت پر بکریاں (۱) چرائیں اور اس طرح سنِ شعور تک پہنچ کر اپنے بازو کی حلال کمائی کھائی اور بکریاں چرا کر قوم اور اُمت کی چرواہی کا سبق پڑھا، کچھ اور بڑھے تو چچا کے

---

(۱) جمع الفوائد، جلد۲، ص۲۶۴

ساتھ تجارت کی غرض سے وطن سے باہر نکلے، پھر حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر باہر گئے اور ایمان داری سے تجارت کر کے نفع اندوز ہوئے ......کون عقل مند عرب کی تجارت کے متعلق کہہ سکتا ہے خصوصاً عہد نبوی ﷺ سے پہلے کہ سفر میں جانے والے کو راستوں کے صعوبات سے دوچار ہونا نہ پڑا ہوگا، جب نئی ایجادات سے دنیا یکسر محروم تھی، بے آب وگیاہ تپتے ریگستان میں چلنا......کوئی ایسی بات نہیں جس کو سوچ کر آج کل کے انسانوں کے رونگٹے کھڑے نہ ہو جائیں۔

اُسوہ حسنہ

جو بچے اور نوجوان زندگی کے اس حصے میں کمانے پر مجبور ہوتے ہیں اور حلال روزی کما کر کھاتے ہیں ان کے لیے سیرت نبوی کے اس حصے میں بڑا سبق ہے، ان کو آزردہ نہ ہونا چاہیے بلکہ ہنسی خوشی قدرت کے دیے ہوئے اس بار کو اٹھا لینا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ مزدوری کرنا کوئی عیب کی بات نہیں، تجارت کوئی تکلیف دہ چیز نہیں، بلکہ حلال رزق کما کر کھانا قابل فخر اخلاق ہے، ان واقعات میں صداقت اور ایمان داری کا بھی سبق ہے، ساتھ ہی یہ درس بھی ہے کہ آدمی کو حتی الوسع اپنا بار دوسروں پر ڈالنا نہ چاہیے بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنا رزق خود کمانے کی جدوجہد ہونی چاہیے۔

بگڑے ہوئے ماحول میں

ان مصائب میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نیک سیرت پائی ہے، غم خواری اور انسانی ہمدردی سے آپ ﷺ نوازے گئے ہیں، بلند اخلاق اور ستھرے ذوق کے مالک بنائے گئے ہیں، طبیعت کا یہ حال، اور مذاق اس قدر پاکیزہ، مگر بایں ہمہ جن لوگوں میں زندگی گزار رہے ہیں، اور جس سماج میں رہتے سہتے ہیں اس کی حالت بالکل برعکس ہے، پورا شہر مکہ اپنے آبائی طور طریقے پر فریفتہ ہے، ہر آن اور ہر جگہ شراب وکباب کی بزم آراستہ ہوتی ہے، جُوئے کے اڈے جمتے ہیں، رقص وسرود کی محفلیں ترتیب دی جاتی ہیں، اور عیاشی اور زنا کاری کا چرچا عام ہے۔

مکہ میں علمی ادارے، اخلاق کی سدھار تربیت گاہیں، شائستہ اور مہذب حلقے ناپید

ہیں، نہ مکتب کا رواج ہے، نہ اسکول کا نام ہے، نہ دارالعلوم ہیں اور نہ یونیورسٹیاں نہ کالج ہیں اور نہ علمی مدارس، بلکہ سچ پوچھئے تو مکہ کا ماحول تاریک ہے، اور اس قدر تاریک جس کی کوئی مثال نہیں۔

گوشہ ٔتنہائی

غالباً اور اسباب کے ساتھ یہ بھی ایک اہم سبب تھا کہ جب آنحضرت ﷺ کے ہوش وحواس کا زمانہ آیا، اور تفکر وتدبر کے دور میں آپ ﷺ نے قدم رکھا، تو اس انسانی آبادی سے کٹ کر علیحدہ زندگی گزارنے کا ڈھنگ اختیار کرنا پڑا، اپنے شہر اور خاندان کی مجلسوں سے الگ تھلگ ہوکر غار حرا میں رہنا شروع کیا، اور وہیں گوشہ ٔتنہائی میں غور وفکر کی منزلیں طے کی ہیں۔

اُسوہ حسنہ

سید الکونین ﷺ کی اس زندگی سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ قوم اور ملک کی حالت جب خستہ ہوجائے، اُن کے اعمال واخلاق جب گندے ہوجائیں تو آدمی کو یکسو ہوکر قوم وملک کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، اپنے رب سے رحم وکرم کی درخواست کرنی چاہیے اور برے ماحول میں رہ کر بھی برائیوں سے اپنے دَامن کو ملوث نہ ہونے دینا چاہیے، بلکہ حکمت اور ہوشیاری سے برے ماحول کو بدلنے کی انتھک سعی کرنی چاہیے۔

مکہ کا پُرخطر ماحول

پھر ایک طرح اور اس ماحول پر نظر ڈالیے، کہ عرب ملک میں مکہ ایک ایسا شہر ہے جس کے بنجر ہونے کی گواہی خود قرآن پاک نے دی ہے، جہاں شادابی اور نزہت کا دور دور تک نام ونشان تک نہیں، جہاں انسانی نگاہیں ہریالی اور سبزہ زاروں کے لیے ترس ترس کر رہ جاتی ہیں، جہاں جھلسا دینے والی لو، تپتی ہوئی ریگ، اور جلتے ہوئے گرم پہاڑوں کے سوا کچھ نہیں، اگر کہیں کہیں سبز درخت نظر بھی آجائیں تو نزدیک پہنچ کر معلوم ہوگا کہ یہ ببولوں کا جھرمٹ ہے، جن سے لمبے لمبے نوکیلے کانٹے چمٹے ہوئے ہیں، ہزار بار جستجو کیجیے مگر کھجور کے سوا کوئی مزے دار پھل نہیں، ان کو پیشِ نظر رکھ کر اندازہ لگایئے کہ یہاں

کی گزر بسر کا کیا حال ہوگا اور زندگی کتنی تلخی سے گزرتی ہوگی، مگر بایں ہمہ سرکارِ دو عالم ﷺ جو محمد ﷺ بن عبداللہ کے نام سے مشہور ہیں زندگی کے ایام گزار رہے ہیں۔

مصائب وافکار کے اِسی ہجوم میں سرور عالم ﷺ کا بچپن، جوانی اور زندگی کا خوشگوار حصہ گزرتا ہے۔ غور کیجیے اور بار بار غور کیجیے کون سی تکلیف باقی رہ گئی، جس سے ہو کر آپ ﷺ کو گزرنا نہ پڑا، قدرت کی طرف سے یہ سارے حقائق پیش آ رہے ہیں اور شاید اس لیے لائے جا رہے ہیں کہ دنیا آنکھیں کھول کر دیکھ لے، کہ عبداللہ کا لختِ جگر محمد ﷺ دنیا اور دنیا کے اربابِ فضل وکمال کے ان تمام بار احسان سے سبکدوش ہے، جو عام طور سے دوسرے افراد اٹھایا کرتے ہیں۔

نبوت سے پہلے احترام واکرام

تاریخ کے پارینہ اوراق شاہد ہیں کہ بایں ہمہ پریشان حالی آنحضرت ﷺ کا مرتبہ مکہ کے ماحول میں کسی سے کم نہیں، بلکہ بہتوں سے بہت بلند، پورے مکہ سے کہا جائے تو بھی غالباً مبالغہ نہ ہو، بلکہ حقیقت ہی حقیقت ہو۔

پورے شہر میں جو تعظیم وتکریم آنحضرت ﷺ کی ہے کسی کی نہیں، ہر جگہ آپ ﷺ کے لیے دل اور گردنیں جھکتی ہیں لیکن ظلم وجور کی وجہ سے نہیں، دولت وثروت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق کے صدقہ میں، خلوص ومحبت کے جواب میں (آپ ﷺ کی امانت داری) اور سچائی سے متاثر ہو کر، کیا یہ حقیقت نہیں کہ اہل مکہ کی امانتیں محمد ﷺ بن عبداللہ کے پاس ہی جمع ہوا کرتی ہیں، پورے شہر کو آنحضرت ﷺ پر پورا اعتماد ہے، اور وہ اس طرح کہ امانتیں رکھواتے ہیں مگر نہ کوئی رسید وصول کرتے ہیں اور نہ کوئی پاس بک۔

مکہ کی سب سے بڑی مالدار عورت، جو اپنی پاک دامنی میں مشہور ہیں اور جن کی خاندانی عزت وشہرت کا گھر گھر چرچا ہے۔ بہت سے باعزت مال دار لوگ ان سے رشتہ کے خواہش مند ہیں، مگر وہ سب سے کٹ کر پیام نکاح بھیجتی ہیں، تو اسی صادق وامین ﷺ کو جس کے پاس اعمال واخلاق کی پاکیزگی تو ہے مگر دنیا کی کوئی خاص دولت نہیں۔

اُسوہ حسنہ

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ نبوت سے پہلے کی زندگی کا مطالعہ کر چکے، اب غور اس بات پر فرمایا جائے کہ مصائب و آلام نے مٹا دیا، یا اجاگر کر کے دائمی زندگی بخش دی؟ دبا دیا یا اُبھار دیا؟ جس کو لوگ بدبختی کی علامت کہتے تھے، اس نے سعادت مندی کے راستے میں کوئی روڑا اٹکایا، یا قدرت نے اُسے سراپا رحمت وراحت بنا کر نیر تاباں بنا دیا؟ ایک عقل مند کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہر اعتبار سے قدرت نے اس کی دستگیری فرمائی، اور ہر طرح اُسے آگے ہی بڑھایا، ﷺ۔

بعد از نبوت مصائب و آلام

اہل مکہ کی پُر جوش مخالفت

اس طرح چالیس سال کی عمر پوری فرماتے ہیں، اب جبکہ عمر کی چالیسویں منزل طے ہوچکتی ہے، تو نبوت کا خدائی تاج سر مبارک پر رکھا گیا، خلعتِ رسالت بخشی گئی، اور کل تک جو محمد بن عبداللہ کہے جاتے تھے، آج محمد رسول اللہ ﷺ قرار پائے، یہ بات ایسی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ورجہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ قدر ومنزلت اور عظمت ورفعت فرش سے عرش پر جا پہنچی۔ اب حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر تشریف لاتے ہیں۔ اب جو قدم اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اشارہ پاکر اٹھاتے ہیں۔ وہی پیغام سُناتے ہیں جس کا حکم ہوتا ہے۔

صبح سعادت

کائنات انسانی کے ایک ایک فرد کو خوش ہونا چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت پوری ہوئی، ہادی آیا، مصلح اعظم آیا، خاتم الرسلین کی بعثت ہوئی، اب بھٹکی ہوئی دنیا راہ راست پر لائی جائے گی۔ انسانیت کی مرجھائی اور جھلسی ہوئی کھیتی کو رحمت کے بادل سینچیں گے، اور پژمردہ روحوں کو حیاتِ جاودانی عطا کی جائے گی۔

کمزوروں سے ظلم و جور ختم ہوگا۔ مزدوروں کو آگے بڑھنے کا موقع میسر آئے گا۔ مظلوموں کی فریاد سنی جائے گی۔ ظالم کو جہنم کے خندق میں گرنے سے بچایا جائے گا۔ اخلاق واعمال کو پاکیزگی بخشی جائے گی، حکمت وموعظت کے باب کھلیں گے، عدل ومساوات کا سکہ رائج ہوگا، جسم اور ظاہر کی صفائی ہوگی، اور دل اور باطن کو بقعۂ نور بنایا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ رُوئے زمین کا ذرہ ذرہ کیف وانبساط سے مست ہے، ساری کائنات میں خوشی کی لہر بجلی بن کر دوڑ گئی ہے، ایک ایک چیز حمد کے ترانے گا رہی ہے، آسمان پر شادیانے بج رہے ہیں، زمین خوشی میں جھوم رہی ہے۔ جان دار بے جان ہر چیز کے چہرے پر مسرت کی چمک ہے، ساری فضا اطمینان کا سانس لے رہی ہے۔ ہر جگہ گونج ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ آیا عدل وانصاف کا پیغمبر ﷺ آیا۔

انقلاب عظیم

مگر مکہ کا یہ رنگ کیوں دگرگوں ہوگیا، اور آن کی آن میں یہ انقلاب کیسا؟ مصائب پر جو بند بندھا تھا، ٹوٹ گیا۔ اکرام واحترم کی دنیا مکہ والوں نے تہ وبالا کردی، کل کے ماننے والے آنحضرت ﷺ کے آج دشمن بن گئے، کل تک جس کو بڑی محبت تھی، آپ ﷺ کے خون کا پیاسا ہوگیا، دیکھتے ہی دیکھتے اپنے غیر ہوگئے، چچا پیچھے پڑ گیا، کل جس نے آپ ﷺ کی پیدائش پر لونڈی کو آزاد کیا تھا، آج نبوت پر بد دعائیں دینے لگا، بزمِ احباب مجلسِ اعداء میں تبدیل ہوگئی، اور مکہ کا بچہ بچہ جان کا دشمن بن گیا۔

اور یہ ساری عداوت محض اس لیے ہے کہ آپ ﷺ نے قوم کو توحید کا پیغام سنایا ہے، کفر وشرک سے بیزاری کا اعلان کیا ورنہ اخلاق واعمال کی پاکیزگی کے اب بھی لوگ قائل ہیں، صداقت وامانت کے سلسلے میں اب بھی آپ ﷺ پر لوگوں کو اعتماد ہے، اور ان کو آپ ﷺ کی ساری خوبیوں کا وثوق ہے، یقین نہ آئے تو یہ چند ثبوت اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیں۔

بعد از نبوت آنحضرت ﷺ کی صداقت اور قوم کا اعتراف

نبوت کے بعد ایک دن کوہ صفا پر آپ ﷺ چڑھ جاتے ہیں، قوم کو عرب کے دستور کے مطابق آواز دیتے ہیں، سارے لوگ جمع ہو جاتے ہیں، اب آنحضرت ﷺ قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ: اگر میں تم سے کہوں کہ دشمنوں کا ایک لشکرِ جرار اس پہاڑ کے پیچھے پڑا ہے اور موقع کی تاک میں ہے کہ دفعتہً تم پر ٹوٹ پڑے............ تو کیا تم کو میری اس بات کا یقین آ جائے گا؟

مجمع عام: (قوم یک زبان ہو کر کہتی ہے)

''ہم لوگوں کو تمہارے متعلق سچائی کے سوا کسی اور بات کا تجربہ نہیں ہے، ہم نے تو تم کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔''(۱)

پھر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ یہ پہلی گواہی ہوئی جو پوری قوم دے رہی ہے، اور علی الاعلان۔

جانی دشمن کی گواہی

دوسری گواہی ملاحظہ فرمایئے، یہ ابوسفیان ہیں جو آنحضرت ﷺ کے جانی دشمن ہیں، اور اپنی قوم کے معتمد اور محبوب سردار ہیں، قیصرِ رُوم کے سامنے کھڑے بیان دے رہے ہیں، اور ایسی حالت میں کہ خود ان کا اور پورے مکہ کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ تباہ و برباد ہو جائیں، اور کسی طرح آپ ﷺ کو قوم کا اعتماد حاصل نہ ہو سکے۔

خود ابوسفیان کا بیان ہے کہ ''خدا کی قسم اگر مجھے اپنے ساتھیوں کی طرف سے جھٹلا دیے جانے کا خطرہ نہ ہوتا، تو یقیناً جھوٹ بولتا۔'' مگر آنحضرت ﷺ کی صداقت کا مسئلہ اس قدر آشکارا اور عام تھا کہ ابوسفیان بھی ڈر گئے، کہ کہیں کوئی ٹوک نہ دے کہ سب صحیح مگر محمد ﷺ جھوٹا اور بداخلاق نہیں، بہرحال ذرا یہ ابوسفیان اور قیصر کی گفتگو بھی سن ہی لی جائے:

(۱) مشکوہ، باب المبعث، ص ۵۳۳، عن البخاری و مسلم

قیصر : اس کے حسب کا کیا حال ہے؟(یہ ساری گفتگو آنحضرت ﷺ سے متعلق ہو رہی ہے)

ابوسفیان: ہم لوگوں میں حسب والا ہے۔

قیصر : اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر : اس کے پیرو کیسے ہیں، بڑے لوگ یا کمزور وناتواں؟

ابوسفیان: کمزور وناتواں۔

قیصر : ماننے والوں میں دن رات اضافہ ہو رہا ہے، یا کمی واقع ہو رہی ہے؟

ابوسفیان: نہیں،ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔

قیصر : اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص پھر مرتد بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر : تم نے اس سے قتال کیا ہے؟

ابوسفیان: ہاں۔

قیصر : اس جنگ میں تمہارا حال کیا رہتا ہے؟

ابوسفیان: برابر سرابر۔

قیصر : کیا وہ بدعہدی اور وعدہ خلافی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، لیکن آئندہ کے متعلق نہیں کہہ سکتا(ابوسفیان کا بیان ہے بس اس جگہ ایک جملہ کے بڑھانے کے موقع مل گیا)

قیصر : کیا جو کچھ یہ کہتا ہے،اس سے پہلے بھی کسی نے اس طرح کی بات کہی تھی

ابوسفیان: نہیں (۱)

(۱) مشکوۃ المصابیح باب علامات النبوت عن البخاری ومسلم

قریش کے "قائداعظم" کی گواہی

تیسری گواہی قریش کے قائداعظم ابوجہل کی بھی سننے کے لائق ہے، ابوجہل کی عداوت آنحضرت ﷺ کے ساتھ جیسی تھی، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، آپ ﷺ کا جانی دشمن اور آپ ﷺ کی بوٹی بوٹی اڑا دینے کا متمنی، اس کی گواہی آپ ﷺ کے حق میں کیا ہوتی ہے، بہت غور سے سننے کے لائق ہے اور واضح رہے یہ نجی اور پرائیویٹ گواہی ہے۔

اخنس بن شریق، ابوجہل سے پوچھتے ہیں۔

اخنس : ابوالحکم! (ابوجہل کی کنیت) دیکھیے یہاں ہم دو کے سوا کوئی تیسرا نہیں، یہ تو فرمایئے کہ محمد (ﷺ) کیسا شخص ہے؟ جھوٹا یا سچا؟

ابوجہل: خدا کی قسم محمد (ﷺ) بلاشبہ ایک سچا آدمی ہے اور اس نے جھوٹ کو کبھی منہ بھی نہ لگایا[۱]

یہ تین گواہیاں میں نے پیش کر دیں۔ ایک عام مجمع کی گواہی، دوسری ابوسفیان قریش کے سردار کی گواہی، اور تیسری عرب کے قومی لیڈر ابوجہل کی گواہی۔

ان گواہیوں کے بعد یہ بات عیاں ہو کر سامنے آ گئی ہو گی کہ نبوت کے بعد ان کی نگاہوں میں بھی آپ ﷺ کے اعمال واخلاق کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہ آیا تھا، بلکہ محمد ﷺ بن عبداللہ کی ذات اب بھی ان کو محبوب تھی۔ ہاں یہ ساری مخالفت محمد ﷺ رسول اللہ کی ہے اور محض اس لیے ہے کہ دینِ قیم کی آپ ﷺ دعوت دینے لگے ہیں اور اسلام کا پیغام کھل کر سنانے لگے ہیں۔

اُسوہ حسنہ

آنحضرت ﷺ کی زندگی کے اس حصے سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ حق گوئی اور قوم کی سچی بھلائی کے کام میں عموماً مخالفت ہوا کرتی ہے اور کبھی مصلح کی عزت وآبرو بھی خطرے میں گھر جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی ہمارے لیے یہ بھی اسوۂ حسنہ ہے کہ ہم حق کا پیغام سنانے کے سلسلے میں ان ساری مخالفتوں کی پروا نہ کریں بلکہ ایسے موقع پر ہم اپنا کام جاری رکھیں

(۱) حاشیہ مشکوۃ، ص ۲۵۱ بحوالہ مرقات ملا علی قاری۔

اور ضرور جاری رکھیں ورنہ کام آگے نہ بڑھ سکے گا۔

ارباب فضل وکمال کی شہادت

یہ تو ایک مسلّم حقیقت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جن تعلیمات کو لے کر دنیا میں تشریف لائے، وہ کائنات انسانی کے لیے سراپا رحمت وبرکت ہیں، آج بھی منصف انسان اس کا اعتراف کرتے ہیں، اور خود عہد نبوی ﷺ کے ابتدائی دور میں بھی لوگوں نے اعتراف کیا ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ﷺ ہم میں نہ آتا، تو ہم برباد ہو جاتے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی شاہ حبش کے بھرے دربار میں قریشی نمائندوں کے روبرو جو تقریر کی تھی اس سے اس مسئلے پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے، اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ قریشی نمائندوں کو ان میں سے ایک بات کی بھی تردید کی جرأت نہیں ہوئی، اس تقریر کا خلاصہ یہاں پڑھ لیا جائے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک نادان قوم کی طرح زندگی گزار رہے تھے، بتوں اور پتھر کی مورتیوں کو پوجتے تھے، مردار اور سڑی گلی چیز کھاتے تھے، بے حیائی اور زنا کاری میں مبتلا تھے، صلہ رحمی اور حقوق کے مسائل بھلا چکے تھے، ہم میں جو مضبوط ہوتا تھا، وہ کمزور کو کھا جاتا تھا، کہ اسی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنے آخری رسول ﷺ کو بھیجا اور ایسے شخص کو رسول بنا کر بھیجا، جس کے حسب ونسب، جس کی امانت ودیانت، اور جس کی عفت وپاکدامنی ہم میں مشہور تھی، اس نے ہم کو ایک اللہ کی طرف بلایا، کہ ہم سب اسی ایک خدا کی پوجا کریں اور باپ دادا سے جو مورتیوں کے پوجنے کی موروثی رسم آرہی تھی، اسے بند کر دیں۔ اس رسول ﷺ نے ہم کو صداقت وامانت، صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی، ناجائز امور، خونریزی، فواحش، جھوٹی گواہی، یتیم کا مال ناحق کھانے اور پاک دامن کو متہم کرنے سے منع کیا، اور ہم کو حکم دیا کہ شرک سے توبہ کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیا کریں، اور دوسروں کو دین کی باتیں بتائیں۔"(۱)

(۱) جمع الفوائد، جلد۲، ص۲۷

اس تقریر سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا وجود اس وقت کے ارباب فضل وکمال کی نگاہ میں کتنا غنیمت تھا..... مگر جن کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہوں، ان کو کون یقین دلائے کہ تم سید الکونین ﷺ کو اذیت دے کر اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا مار رہے ہو، اور جو رحمت بن کر آیا ہے تم ان کو اپنی بے وقوفی سے زحمت سمجھ رہے ہو۔

قوم کی اخلاقی حالت

آنحضرت ﷺ کے مصائب کو سمجھنے اور آپ ﷺ کی اذیتوں کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے پہلے ہی یہ بھی جاننا ضروری ہے، کہ جس قوم میں آپ ﷺ مبلغ بنا کر بھیجے گئے تھے اور جن کی گمراہی آپ ﷺ کے لیے سوہانِ روح تھی، وہ ایک جاہل وحشی قوم تھی، تندخو اور درشت مزاج تھی، تعلیم وتربیت سے ناآشنا تھی، نہ ان میں اخلاق واعمال کی پاکیزگی تھی اور نہ تہذیب وشائستگی کی کوئی خوبو، ماردھاڑ اُن کا آبائی پیشہ تھا، اور لوٹ مار اُن کا خوشگوار مشغلہ، اور وہ ہر ایک قانون سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتی تھی۔

پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ جن خدائی تعلیمات کو لے کر ان میں مبعوث ہوئے تھے، یہ ان کے آبائی عقیدے اور خاندانی رسم ورواج سے ٹکراتی تھیں، کچھ خودسر سردار تھے جن کی سرداری کو خطرہ تھا، کچھ سرمایہ دار بستے تھے جن کی سرمایہ داری کی جڑ کٹتی تھی، کچھ ظالم وجابر اور غلط اندیش افراد تھے، اُن پر پابندی عائد ہوتی تھی، اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کا ذریعۂ معاش ناجائز تھا، وہ بند ہوتا نظر آتا تھا۔

ناخوشگوار حالات سے ٹکر لینا

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جو قوم پُشت ہا پشت سے آزاد تھی، اور آزاد زندگی کی عادی ہوچکی تھی، اس کے لیے ''اسلام'' کا لفظ کتنا صبر آزما تھا؟ جس کے معنی ہی اطاعت اور فرمانبرداری تھا۔

ان اخلاق واعمال کی حامل قوم کے سامنے اسلام کی تعلیمات لے کر جانا سوچیے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اپنا خیال ہے کہ اگر عرب میں خاندانی آن کی بات نہ ہوتی، تو اول ہی دن جاہل قوم آپ ﷺ کو مار ڈالتی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُس کی

حفاظت کے علاوہ ظاہری سبب بھی خاندانی حمایت کا مسئلہ تھا، جو آپ ﷺ کی جان بچانے میں بڑا اہم پارٹ ادا کرتا تھا، عرب میں سب کچھ برداشت کیا جا سکتا تھا، مگر خاندان کے کسی فرد کا قتل ایک منٹ کے لیے بھی قابل درگزر نہ تھا۔

ان سنگین حالات اور اس تاریک ماحول میں آنحضرت ﷺ کو پیغمبری کے فرائض انجام دینے تھے، چنانچہ جونہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو تبلیغِ حق کا کام شروع کر دیا، اور نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ اسے اتمام کو پہنچانا چاہا۔

تبلیغِ حق اور حوصلہ شکنی

ایک دن اپنے خاندان کو مدعو کیا، اور افرادِ خاندان کو ایک جگہ جمع کیا، آپ ﷺ کی دعوت پر اہلِ خاندان تشریف لائے۔ اس دعوت میں تمام ہی معزز حضرات تھے، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، اور ابوطالب بھی شریک ہوئے، ابتدائی کاموں سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا لاہوتی پیغام رکھا جس کے لیے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے، بتوں کی پوجا، غیر خدا کی پرستش اور دوسری بیہودگیوں سے روکا، اور ان برائیوں کی نشان دہی فرمائی، پھر توحید کی تعلیم اور حق پرستی کا سبق سنایا۔

مگر آپ کو یہ معلوم ہو کر حیرت ہوگی، کہ کسی گوشے سے بھی آپ ﷺ کی حمایت میں آواز نہ اٹھی، کسی نے آپ ﷺ کی ان تعلیمات پر لبیک نہ کہا، صرف ایک حضرت علیؓ تھے، جنھوں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔

ایک طرف آپ ﷺ کی خواہش کہ جتنا جلد ہو سکے ہمارا خاندان کفر وشرک کی تاریکی سے نکل آئے، اور دوسری طرف اہلِ خاندان کی یہ حوصلہ شکنی کہ کوئی اُس کو سراہنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

آنحضرت ﷺ پر مخالفین کی یلغار اور ایک جاں نثار کی شہادت

یہ واقعہ ایسا ہوا کہ آپ ﷺ کے دل پر چوٹ لگی مگر شکستہ دل نہ ہوئے، کام جاری رکھا، کچھ نہ کچھ مسلمان بڑھتے ہی رہے، ایک دن آنحضرت ﷺ کچھ مسلمانوں کو لے کر حرمِ محترم (مسجد حرام) میں پہنچے، حق کا اعلان کیا اور توحید کا مظاہرہ، مگر اہلِ مکہ کی نظر میں

آپ ﷺ کی یہ جرأت خانہ کعبہ کی توہین کے مرادف تھی۔ ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، کفار ہر طرف سے آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے، مار پیٹ اور اذیتوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ ایک صحابی حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی، بچانے کو دوڑ پڑے، مگر ان کو اس قدر بے دردی سے پیٹا گیا، اور ظالموں نے ان کو اس طرح زدوکوب کیا کہ بیچارے جنت کو سدھارے۔

یہ خون جو اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں پہلا خون تھا، اور سرکار دو عالم ﷺ کی حمایت کی وجہ سے ہوا تھا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف کفار مکہ میں کتنا جوش وخروش تھا، اور کیسی سنگ دلی، کہ آپ ﷺ کے بچانے والے کو بھی معاف نہ کیا گیا، بلکہ آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے آپ ﷺ کے ایک چہیتے صحابی کو شہید کرڈالا گیا، اس حادثۂ فاجعہ نے آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر کیا اثر ڈالا ہوگا؟

اُسوہ حسنہ

ان دونوں واقعات کے اندر یہ سبق ہے کہ حق کے مبلغ کو نہ اہلِ خاندان کی مخالفت سے تنگ دل ہونا چاہیے اور نہ قوم کی مخالفت سے شکستہ دل، حق کی تبلیغ نہ قوم کی گالیوں اور مار پیٹ کی وجہ سے روکی جاسکتی ہے، اور نہ اپنوں کی مخالفتوں سے، اگر اس سلسلے میں جان بھی چلی جائے تو اس پر فخر محسوس کرنا چاہیے، کہ جان کام آگئی۔

اہل مکہ کا غیظ وغضب

آنحضرت ﷺ کی تبلیغ جاری رہی، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، اہل مکہ کے غلط عقائد پر نکتہ چینی کرتے رہے اور ان کو توہم پرستی، بت پرستی پر ٹوکنے سے باز نہ آئے جس سے پوری قوم برافروختہ ہوگئی، پورا مکہ ایک دہکتا انگارہ بن گیا، سبھوں کے دل میں آپ ﷺ کی طرف سے نفرت وبغض پیدا ہوگیا، کفار نے باہم مشورہ کر کے پہلے آپ ﷺ کا یہ سارا شکوہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کی خدمت میں پہنچایا، اور ان سے کہا کہ آپ محمد ﷺ کو ان کاموں سے سختی کے ساتھ روکیے، اس مرتبہ ابوطالب نے ان کو نرم وگرم سمجھا کر واپس کیا، اور آنحضرت ﷺ برابر اپنے کام میں مشغول رہے۔

اہل مکہ کا وفد ابوطالب کی خدمت میں

مکہ والوں نے جب دیکھا کہ محمد ﷺ اپنے کام میں پہلے سے زیادہ منہمک ہیں اور ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو منع نہیں کیا، تو قریش بھڑک اٹھے اور یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت ہوگئی، دوبارہ اپنے خیال میں ایک عظیم الشان وفد ترتیب دیا، اور اس طرح صنادید عرب ابوطالب کی خدمت میں باضابطہ کرّ وفر سے حاضر ہوئے، اس عظیم الشان وفد میں جو آنحضرت ﷺ کے مشن کو ناکام کرنے کے لیے بھیجا جارہا تھا، مشہور افراد نے شرکت کی، مثلاً عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور عاص بن وائل یہ سب کے سب تھے، وفد نے اس مرتبہ ابوطالب سے تفصیلی گفتگو کی، اور بتایا کہ آپ کا بھیجا (محمد ﷺ) ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے دیوتا دیویوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے بزرگوں کو احمق اور بیوقوف بتاتا ہے اور کھل کر ہمارے عقائد کی تردید کرتا ہے، اور ہم ''لات وعزّیٰ'' کے پرستاروں کی شان میں کوئی ایسی گستاخی نہیں جو وہ اُٹھا نہ رکھتا ہو، اور اس کے مقابلے میں وہ ایک نئے دین کا پرچار کرتا ہے، اور سب کو بددین بنانے کی فکر میں رات دن مصروف رہتا ہے، لہٰذا آپ سے ہم یہ التجا کرنے آئے ہیں کہ ان کو سمجھایئے، کہ اپنی موجودہ روش بدلیں، آپ اگر یہ سب کرنے کو تیار نہیں تو پھر آپ براہِ کرم درمیان سے علیحدہ ہوجائیں۔ ہم آپ کے بھتیجے سے معاملہ نبٹ لیں گے۔

ابوطالب کا تاثر اور آنحضرت ﷺ کی فہمائش

ابوطالب وفد کی اس مرتبہ کی گفتگو سے کافی متاثر ہوئے اور لوگوں کا رنگ بھانپ کر فکر میں پڑ گئے۔ ایک طرف قوم اور اپنے ہم مذہبوں کا زوردار مطالبہ دوسری طرف بھتیجے کی محبت، جو باپ کی امانت کی حیثیت سے ابوطالب کے سپرد تھی اور عرصہ سے انھی کی زیرنگرانی چلی آرہی تھی۔ غور وفکر کے بعد ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو ایک دن بلا کر کہا: محمد (ﷺ!) سنو، ایسی بات کرو جس کو میں نباہ سکوں اور مجھ پر اتنا ہی بوجھ ڈالو، جس کو میں اٹھا سکوں۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ آپ ﷺ تبلیغ حق کا کام بند کردیں۔

آنحضرت ﷺ کا جواب

آنحضرت ﷺ نے اپنے شفیق اور مہربان چچا کی جب یہ گفتگو سنی تو آبدیدہ ہو گئے، مگر جرأت وہمت کے پاؤں میں لغزش نہ ہونے دی، اور پوری اولو العزمی، اور ثابت قدمی سے فرمایا: چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر رکھ دیں گے، تو بھی میں اپنے فریضہ کی ادائیگی سے رک نہیں سکتا۔ رب العالمین اس نیک کام میں یا تو مجھے کامیاب فرمائے گا، یا پھر میں اس دین (اسلام) پر نثار ہو جاؤں گا۔

آپ ﷺ نے یہ باتیں کچھ ایسے پُر زور لب ولہجہ اور درد بھرے انداز میں فرمائیں کہ شفیق چچا کا دل پگھل گیا اور ان کو محبت آمیز جملوں میں کہنا پڑا، کہ جب یہی بات ہے تو میری طرف سے اجازت ہے، اپنا کام جاری رکھو، اس سلسلے میں ہم پر جو آفتیں آئیں گی دیکھ لیں گے، تمہاری دلدہی ہمارے لیے بہر حال مقدم ہے۔

مصائب وآلام کی بارش

بلاشبہ ابو طالب کی اس جرأت آمیز تسلی اور محبت بھری حوصلہ افزائی سے آپ ﷺ کو مسرت ہوئی، اور یہ بھی درست ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادے جو کفار میں گردش کر رہے تھے اس میں کچھ دنوں کے لیے کمزوری آ گئی، مگر اذیتوں اور مصائب وآلام کے ہجوم میں کمی کی جگہ اضافہ ہو گیا، اہلِ مکہ نے اپنے وہ سارے اوچھے ہتھیار آپ ﷺ پر آزمائے، جو اُن کے بس میں تھے، آنحضرت ﷺ کو طرح طرح خاموش کرنے کی تدبیریں کی گئیں، مگر تاریخ گواہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ان تمام درد ودکھ اور مصائب وآلام کو برداشت کر لیا، مگر اپنے فرضِ تبلیغ کی ادائیگی میں ذرہ برابر غفلت کو راہ نہ دی، اور نہ اس سلسلے میں کوئی مصالحت ہی گوارا فرمائی، چنانچہ یاس وقنوط کے بادل امنڈ امنڈ کر برستے رہے ظلم وجور کی بے پناہ آندھیاں چلتی رہیں، آوازے کسے جاتے رہے۔ مخالفتیں ہوتی رہیں، اور اہل مکہ وہ ساری دلخراش کارروائیاں کرتے رہے، جو ان کے امکان میں تھیں مگر آنحضرت ﷺ بایں ہمہ پُر اُمید ہو کر ہمیشہ ہی اپنے

فرائض انجام دیتے رہے اور حق کا پیغام سناتے رہے۔

آنحضرت ﷺ کے مصائب اور مخالفین کے تاثرات

آنحضرت ﷺ کی اذیت اور مصیبت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ خود دشمنوں کو ترس آجاتا تھا، چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جواب تک کافر تھے وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہونے والی گستاخیوں اور ذلت آمیز سلوک کو برداشت نہ کر سکے اور سچ تو یہ ہے آپ ﷺ کی اذیتوں ہی کو دیکھ کر پہلے پہل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زبان پر ''اسلام'' کا نام آیا، واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے، کہ ایک دفعہ ابوجہل دشمنِ رسول ﷺ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بہت بُری طرح پیش آیا اور آپ ﷺ کی شان میں نہایت بیہودہ کلمات زبان سے نکالے، اور یہ اتنا بڑھ گیا کہ سننے والے شریف طبیعت کے انسان بھی گھبرا اٹھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شکار کا بہت شوق اور سپہ گری سے طبعی انس تھا، ایک دن وہ حسب معمول سیر و شکار سے واپس آئے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اتفاق سے اسی وقت ایک کنیز آئی اور اس کی نگاہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر پڑگئی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوتے دیکھا تھا، وہ المناک سین اس کی آنکھوں میں پھرنے لگا، اور ابوجہل کی شقاوت اور آپ ﷺ کی بے چارگی کا منظر جو اس نے دل پر پتھر رکھ کر دیکھا تھا اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا، اس سے رہا نہ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ساری رودادِ غم کہہ سنائی، حمزہ رضی اللہ عنہ ایک شریف طبیعت انسان تھے، پھر آنحضرت ﷺ سے قریبی خونی رشتہ رکھتے تھے، چچا ہونے کے ساتھ ساتھ دودھ شریک بھائی بھی ہوتے تھے، کنیز کی زبان سے آنحضرت ﷺ کی بے عزتی کی داستان سن کر تڑپ اٹھے، دل بھر آیا، اور ایک مظلوم کی داستانِ غم نے بے چین کر دیا، تیر کمان سنبھالا، اور غصے میں بھرے ہوئے ابوجہل کے پاس پہنچ گئے، اور جا کر کہا، تم اسلام کے نام پر دوسروں کو ستاتے ہو، سن لو''میں آج سے مسلمان ہوں'' آؤ جو کرنا ہے کر کے دیکھ لو۔

اُسوہ حسنہ

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید الکونین ﷺ کی مصیبت وتکلیف، اور دشمنوں کی گستاخی دیکھ کر شریف دل دشمن بھی لرز اٹھتا تھا۔

اس طرح کے واقعات میں ان دین دار مسلمانوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو تبلیغ حق کے سلسلے میں ستائے جاتے ہیں، گالیاں سنتے ہیں اور گھبرا کر دل برداشتہ ہونے لگتے ہیں، ان کو سمجھنا چاہیے کہ جو اس راستہ سے گزرے گا اس کے لیے اذیتوں سے دوچار ہونا کوئی نئی بات نہیں۔

تبلیغ حق میں رکاوٹیں

قریش مکہ نے سینکڑوں تدبیریں کیں، ہزاروں جتن کیے کہ رحمت عالم ﷺ کسی طرح ''تبلیغ دین'' کا کام بند کردیں اور عاجز آ کر گھر میں بند ہو جائیں، مگر رب العالمین کو جو کام لینا تھا وہ کیونکر رُکتا۔

کافروں کی دلی خواہش تھی کہ غلط پروپیگنڈا کر کے لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے بیزار کردیں، ایسی بے سروپا باتیں مشہور کی جائیں کہ لوگ آپ ﷺ سے بدظن ہو جائیں، اورکوئی آپ ﷺ کی باتوں پر کان نہ دھرے۔

ابولہب کی عداوت

رسول الثقلین ﷺ دروازہ، دروازہ جاتے اور گھوم گھوم کر ایک ایک شخص سے کہتے پھرتے، اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بس ایک خدا کی پوجا کرو، اس کا کسی کو کسی کام میں شریک نہ مانو......مگر خود آپ ﷺ کا چچا ابولہب آپ ﷺ کے پیچھے لگ جاتا، اور جہاں جہاں آپ ﷺ تبلیغ کرتے، وہ بھی جاتا، اور کہتا پھرتا، اے لوگو! محمد (ﷺ) کیسی عجیب بات کہتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے دین دھرم کو چھوڑ دو، خبردار اس کی اس طرح کی باتیں ہرگز نہ ماننا۔(۱)

---

(۱) الانوار المحمدیہ، ص ۲۸

ولید بن مغیرہ کی دشمنی

ولید بن مغیرہ آنحضرت ﷺ کی عداوت میں کہتا پھرتا، محمد ﷺ جو مدعیٔ نبوت ہے، یہ نبی تھوڑا ہی ہے، یہ تو جادوگر ہے جادوگر...... اور یہ جادوگر کا لفظ اتنا مقبول ہوا، کہ جس کو دیکھیے کہتا نظر آرہا ہے محمد (ﷺ) جادوگر ہیں۔

غلط پروپیگنڈا

کوئی کہتا ہے کہ محمد ﷺ جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، یہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے، یہ تو محض ایک شاعر ہے، دیکھنا اس کی باتوں میں ہرگز نہ آنا اور خبردار اس کے کلام کی فصاحت وبلاغت سے دھوکہ نہ کھانا، محمد (ﷺ) جس کو خدا کی کتاب کہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کہاں سے آئی؟ یہ جھوٹ موٹ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے، یہ سب اس کا ڈھونگ ہے۔

کبھی کفار مکہ کہتے، اجی کس پھیر میں ہو، محمد (ﷺ) خواہ مخواہ کہتا پھرتا ہے کہ وہ رسول اللہ ہے، یقین کرو، نہ وہ رسول ہے اور نہ نبی، یہ سارا ہنگامہ بس اس لیے ہے کہ وہ ہم کو اپنے آباؤ اجداد کے دھرم سے ہٹا کر گمراہ کر دینا چاہتا ہے، اور اس طرح اپنی باتوں میں لا کر قوم کا لیڈر بننا چاہتا ہے۔

کوئی کہتا ان کی کارروائی ملاحظہ نہیں کرتے ہو کہ قرآن کی آیتیں سنا سنا کر اور الٹے سیدھے معجزات دکھا کر ہمارے آپس میں پھوٹ ڈال رہا ہے، میاں کو بیوی سے، اور بیوی کی میاں سے جدا کر رہا ہے، باپ بیٹے میں جنگ کرا رہا ہے، آخر یہ ساری حرکتیں جادو نہیں تو پھر کیا ہیں۔ (۱)

آنحضرت ﷺ پر پھبتی

کوئی مذاق کرتا، دیکھو! یہ محمد (ﷺ) کیسی عجیب بات کہتا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مرکر جب مٹی میں مل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں تک سڑگل جائیں گی تو پھر ہم لوگوں کو دوبارہ حیات بخشی جائے گی، اور زندہ ہو کر ہم لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

---

(۱) ان واقعات کے لیے دیکھیے سورہ سبا ۵۔

اور مزے کی بات سنو گے؟ آپ ﷺ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں، کہ ہم تو ہم ہمارے وہ پہلے لوگ جن کو دنیا سے گئے لاکھوں برس گزر گئے، جن کی ہڈیوں کا کوئی ریزہ تک نہ ہوگا، وہ بھی اس دن اٹھائے جائیں گے، سوچو تو سہی ایک طرف نبوت کا دعویٰ، دوسری طرف ایسی بے سر پیر کی بات، کسی طرح عقل قبول کرتی ہے؟(۱)

کسی طرف سے آواز آتی، عبداللہ کا بیٹا دیوانہ ہے، اس پگلے کی بات کیا سنو گے، چھوڑو بھی، اس کو بک بک کرنے دو، پاگل کی بڑ میں رکھا ہی کیا ہے۔

مختلف اعتراضات

کچھ لوگ کہتے، ذرا عقل وفہم سے بھی کام لو، ایک پاگل شاعر کی وجہ سے آخر ہم اپنا دھرم چھوڑ دیں گے۔ یہ ممکن بھی ہے(۲) مشرکین جب کبھی آنحضرت ﷺ کی تقریر سنتے جس میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا مسئلہ بیان کرتے، بت پرستی کی تردید کرتے، اور عقل وفہم سے کام لینے کی ترغیب دیتے، تو ان کے غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھتی، غصے میں بھوت بن جاتے، کوئی معقول جواب تو ان کے پاس ہوتا نہیں، لہٰذا اس غصے میں آپ ﷺ سے عجیب عجیب فرمائشیں شروع کر دیتے۔

چنانچہ ایک دفعہ کہنے لگے، دیکھیے صاحب! اگر آپ ﷺ واقعی سچے نبی ہوتے اور اللہ کے برگزیدہ پیغمبر، تو آپ ﷺ کے ساتھ خدا کی طرف سے ایک بڑا خزانہ آتا، بے انتہا دولت ہوتی، آسمان سے فرشتہ ساتھ آتا، اور وہ ہم لوگوں سے آکر کہتا کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔(۳)

باطل پرستی کا شور

کبھی کفار کہتے، یہ کیسا رسول ہے، کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں پھرتا ہے، اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اگر سچ مچ رسول ہوتا تو فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش سے فارغ ہوتا، رعب جمانے کے لیے اس کے ساتھ اللہ کا کم از کم ایک دو فرشتے

---

(۱) سورۂ صافات ا   (۱) سورۂ صافات ۲

(۲) سورۂ ہود ۲

ہوتے، سونے چاندی کا غیبی خزانہ ہوتا اور کچھ نہیں تو معمولی رئیسوں کی طرح کھجور اور انگور کے ایک دو باغ ہی ہوتے، گویا اس قدر گیا گزرا آدمی اور دعوٰی کرے رسالت جیسے عہدۂ جلیلہ کا[1]۔ جس کا ماحصل یہ ہوتا کہ بات منوانے کے لیے تمہارے ساتھ نہ مادی طاقت ہے، نہ روحانی قوت، تو پھر ہم کس طرح آپ ﷺ کو رسول تسلیم کر سکتے ہیں، آنحضرت ﷺ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت دلگیر اور مغموم ہوتے ...... گویا وہ ایسا نازک اور پُرخطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی، صرف آپ ﷺ کی ایک مقدس ہستی تھی جس کے حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی اور چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے نرغے میں گھر رہے تھے، کوئی جھٹلاتا، کوئی طعن کرتا، اور کوئی مذاق اڑاتا تھا۔

اس ماحول کا تصور کریں اور مبلغ اعظم ﷺ کی قوتِ قلب اور ہمتِ مردانہ کا اندازہ لگائیں، آپ ﷺ کا تمام تر اعتماد اور بھروسہ ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا، آپ ﷺ جب کبھی دلگیر و محزون ہوتے تو صرف اپنے پروردگار ہی کی آواز سے تسلی پاتے، اور دنیا کے مقابلے میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے۔[2]

آنحضرت ﷺ سے ٹھٹھا اور مخول

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، ادھر سے کافروں کی ایک ٹولی آئی، اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر دھول ڈال کر ہنستے ہنستے بے خود ہو گئی۔[3]

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے مشورہ کیا، اور مل کر آئے، ساتھ کسی جانور کا بہت سا خون لیتے آئے تھے، اسے آنحضرت ﷺ کے دروازے پر پھینک کر چلتے بنے۔[4]

اللہ کے پیارے رسول، رحمۃ للعالمین ﷺ کے ساتھ کافروں کا یہ سلوک تھا، مگر اللہ کا لاڈلا بندہ ان آفتوں میں گھرا ہوا بھی مایوس نہیں ہوتا بلکہ جو فرائض ہیں انھیں پوری تندہی سے ادا کرتا ہے۔

---

(۱) سورۂ فرقان، موضح الفرقان، ص ۴۶۷
(۲) سورۂ فرقان، موضح الفرقان، ص ۴۸۸
(۳) انوار المحمدیہ، ص ۲۸
(۴) انوار المحمدیہ، ص ۲۸

سنگ باری

ابولہب کی عداوت کے ایک ذو واقعات آپ پڑھ آئے ہیں، اس کو آپ ﷺ کی ذات سے بڑی نفرت تھی، حال آں کہ چچا تھا، اس کو ایک لمحہ کے لیے یہ پسند نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اسلام کی تبلیغ فرمائیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ جب کبھی کسی مجمع میں توحید کا پیغام سنانے کھڑے ہوتے اور یہ شخص دیکھ لیتا تو پتھر لے کر دوڑتا اور پتھر برسانا شروع کر دیتا، اور آپ ﷺ پر اتنے پتھر برساتا کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے...... کبھی ابولہب کہتا محمد بے دین ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم کو جو کچھ ملے گا وہ آخرت میں مرنے کے بعد ملے گا، پس ایسے کی بات پر کان نہ دھرو۔ (۱)

ام جمیل کی مخالفت

ابولہب کی بیوی ام جمیل بھی اپنے شوہر سے بدبختی میں کم نہ تھی، اس کو بھی سیدالکونین ﷺ سے بے انتہا دشمنی تھی، دن رات آپ ﷺ کی مخالفت میں منہمک رہتی۔ غلط سلط باتیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتی رہتی، اس کی شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ عورت ہو کر آنحضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے لا لا کر بچھاتی۔ لوگوں کو آپ ﷺ کی مخالفت پر ابھارتی، اور گھر گھر کہتی پھرتی محمد ﷺ کی بربادی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گی، اپنے گلے کا قیمتی ہار بیچنے کی نوبت آئے گی، تو بھی نہ چوکوں گی۔ (۲)

اُسوہ حسنہ

آنحضرت ﷺ ان ساری مخالفتوں کو برداشت فرماتے مگر اس راستے میں تھکنا نہ جانتے تھے، تبلیغ حق میں ان کی وجہ سے کوئی کمی واقع نہ ہونے دیتے، بلکہ پورے جوش وخروش سے اپنے کام میں مشغول رہتے۔

امت کے لیے ان واقعات میں بڑا سبق ہے، وہ اپنے پیغمبر کی اس زندگی کو ملاحظہ کریں، اور سوچیں کہ دین کی تبلیغ میں آپ ﷺ نے کتنی زحمتیں برداشت کی ہیں اور کس کس طرح اس خدائی دین کو خدا کے بندوں تک پہنچایا ہے۔

---

(۱) موضح الفرقان، سورہ لہب (۲) موضح الفرقان، سورہ لہب

عقبہ بن معیط کی شیطنت

دل خون ہو کر رہ جاتا ہے جب ہم سیرت کی کتابوں میں یہ دل گداز واقعہ پڑھتے ہیں کہ ایک دفعہ عقبہ بن معیط کافر نے آنحضرت ﷺ کی گردن مبارک پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور پوری قوت سے آپ ﷺ کی گردن مبارک کو دبایا، کہ آپ ﷺ کا کام تمام کر دے، شدت تکلیف سے آپ ﷺ بدحواس ہو گئے، معلوم ہوتا تھا اب آپ ﷺ کی آنکھیں نکل پڑیں گی، اس سے بھی ظالموں کی تسکین نہ ہوئی تو انسانیت سوز مظالم شروع کر دیے گئے۔ کوئی بال پکڑ کر گھسیٹتا، کوئی ریش مبارک ہاتھ میں لے کر نوچتا اور کوئی دوسری تکلیف پہنچانے کے درپے تھا، قریب تھا کہ ان اذیتوں کی تاب نہ لا کر سرکار دوجہاں ﷺ دم توڑ دیں، کہ اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے پہنچے، اور عقبہ بن معیط کو دھکا دے کر ہٹایا، اور آبدیدہ ہو کر فرمایا تم آنحضرت ﷺ کو صرف اس لیے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ ایک ہے۔ (۱)

اُسوہ حسنہ

اس غم انگیز واقعہ میں ان افرادِ امت کے لیے سبق ہے جو حق کی راہ میں زدوکوب کیے جاتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ ایسے نازک موقع پر صبر و تحمل سے کام لیں، اور حق کی حمایت کے مقابلے میں ان تکلیفوں کو خاطر میں نہ لائیں، کیونکہ جب ہمارے سید المرسلین ﷺ کو معاف نہ کیا گیا اور آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح کا وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا، تو پھر ہم غلامانِ محمد ﷺ کس گنتی میں ہیں۔

قتل نبی ﷺ کے لیے مشورہ

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر قریش یہ مشورہ کر رہے تھے کہ محمد ﷺ جیسے ہی یہاں قدم رکھیں، ہم سب مل کر ان کی بوٹی بوٹی اڑا دیں، اتفاق سے یہ ظالمانہ مشورہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے سن لیا، روتی ہوئی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کافروں کا سنگدلانہ مشورہ کہہ سنایا، آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کو گھبرائی ہوئی دیکھ کر ان کو تسلی دی،

(۱) الانوار المحمدیۃ، ص:۲۸

کہ گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ وناصر ہے۔

گلا گھونٹنے کی سعی

دشمنانِ اسلام نے پیغمبر اسلام ﷺ کو جس طرح ستایا، اور آپ کو جیسی جاں گداز تکلیفیں دیں اس کا صرف تصور ہی ہمارے رونگٹے کو کھڑا کر دیتا ہے، ہمارا دل کانپ جاتا ہے جب ہم پڑھتے ہیں کہ صحنِ کعبہ میں کافروں نے آپ ﷺ کو اپنے نرغے میں لے لیا، اور گردن مبارک میں کپڑا ڈال دیا، اور پھر کپڑے کو آپ ﷺ کی گردن مبارک میں لپیٹ کر اس کے دونوں کناروں کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا اور ہر ایک نے اپنی طرف اس زور سے کھینچا، کہ آپ ﷺ کی سانس گھٹنے لگی، قریب تھا کہ سانس رک جائے اور آپ ﷺ جاں بحق ہو جائیں، کہ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے اور لڑ بھڑ کر بچایا۔(۱)

نجاست بھری اوجھ شانہ مبارک پر

بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، پاس ہی ایک قریشی مجمع بھی تھا، ان میں سے ایک شخص نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا، اس ریا کار کو تو دیکھو! کیا کر رہا ہے؟ براہِ کرم ایک آدمی تکلیف کرو، اور ذرا فلاں شخص کے یہاں چلے جاؤ، وہاں جانور ذبح ہوا ہے، اس کی غلاظت بھری اوجھ اٹھا لاؤ، جب یہ سجدہ میں جائے گا اس کی گردن پر ڈال دی جائے گی، یہ سننا تھا کہ ایک شخص اٹھا اور تیزی سے روانہ ہو گیا اور تھوڑی دیر میں غلاظت بھری اوجھ اٹھا لایا، اور جونہی آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے کافروں نے یہ غلاظت بھری اوجھ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر ڈال دی، اور آپس میں خوب زور زور سے ہنسنے لگے اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے، کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو اس وقت چھوٹی تھیں کہا، کہ ایسی بات ہوئی ہے، وہ گھبرا کر دوڑی ہوئی آئیں اور آپ ﷺ کے شانوں کے بیچ سے اس غلاظت کو دور کیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا۔(۲)

---

(۱) بخاری، کتاب التفسیر، سورہ مومن، جلد۳، ص۱۲۳ (۲) الانوار المحمدیۃ، ص:۲۸

یہ قریش کا تمسخر تھا ذات بابرکت سراپا رحمت ﷺ سے، مگر قربان جایئے آپ ﷺ کی ہمت پر کہ نہ کبھی صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، اور نہ تبلیغ دین کا کام بند کیا۔

مذکورہ بالا واقعہ کے متعلق ابوالبختری نے ابوجہل سے ایک مرتبہ پوچھا کہ تم نے ہی غلاظت بھری اوجھ آنحضرت ﷺ کی گردن مبارک پر ڈالنے کا حکم دیا تھا؟ اس نے تن کر کہا، ہاں، ابوالبختری کو غصہ آ گیا اور کوڑے سے ابوجہل کی مرمت کر دی، اس پر بڑا شور و شر ہوا، حتی کہ انتقام کی آواز بلند ہوگئی۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے، اور کہنے لگے دیکھا تم نے؟ یہ سب محمد ﷺ کی کارروائی ہے، یہ ہم لوگوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتا ہے۔ (۱)

آنحضرت ﷺ کو زدوکوب

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کافروں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو اس بے دردی سے پیٹا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، یہ دردناک خبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچی، دوڑے ہوئے آئے اور کافروں کو سمجھانے لگے کہ تم نے یہ کیا ظلم کیا، اتنا کہنا تھا کہ سب کے سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے۔ (۲)

گردن مبارک میں پھندا

اسی طرح ایک دن سرور کائنات ﷺ نماز میں تھے، عقبہ بن معیط نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں اپنی چادر ڈال دی اور اس زور سے کھینچا کہ دم گھٹنے لگا، اس مرتبہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے آپ ﷺ کی جان بچائی (۳)، ورنہ یہ ظالم شاید آپ ﷺ کی جان لے کر چین لیتا، حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کو جو تکلیفیں دی تھیں، ان سب سے بڑی تکلیف کون سی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا: ''تم نے عقبہ بن معیط ظالم کو دیکھا تھا؟ وہ بڑا ہی قسی القلب اور محروم القسمت انسان تھا، وہ ایک دن آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ نماز میں مشغول رب العزت سے سرگوشی فرما رہے تھے، اسی حال میں عقبہ نے اپنی چادر آنحضرت ﷺ کے

(۱) جمع الفوائد، ص ۲۵، جلد ۲ (۲) جمع الفوائد، ص ۲۵، جلد ۲ (۳) جمع الفوائد، ص ۲۵، جلد ۲

گلے میں ڈال دی اور پوری قوت سے کھینچ کر آپ کا گلا گھونٹ دینا چاہا، کہ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے اور اس ظالم کو دھکا دے کر ہٹایا اور فرمایا کہ تم آنحضرت ﷺ کو صرف اس وجہ سے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور پھر رب کی نشانیاں پیش فرماتے ہیں(۱)۔

اہل مکہ کی شرارت

مکہ والوں کی بدخلقی اور شرارت کی انتہا یہ ہوگئی کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو نام لے کر پکارنا بھی گوارا نہ کیا اور یہ محض اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کا اسم مبارک ''محمد ﷺ'' تھا اور اس لفظ کا معنی ہے تعریف کیا ہوا، چنانچہ انھوں نے ''محمد ﷺ'' کی جگہ ''مذمم'' نام سے مخاطب کرنا شروع کر دیا، جس کا معنی ہے مذمت کیا ہوا یعنی وہ جس کی برائی بیان کی گئی ہو(۲)۔

رحمت عالم ﷺ سے تمسخر

کبھی یہ ظالم کہتے اور مذاق اڑاتے کہ اللہ کو کوئی دوسرا شخص نبی بنانے کے لیے نہیں ملا تھا کہ اس کو نبی بنانے پر مجبور ہوا ''قرآن'' کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار اور مال دار پر اترا ہوتا جو دولت وثروت کے مالک تھے اور عزت وشہرت کے حقدار، محمد میں کون سا ہیرا جڑا ہے، کہ یہ نبی ہوگیا:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾

(الزخرف ۴۳:۳۱)

کبھی اسلام کی باتیں سن کر کفار مکہ مضحکہ اڑاتے، کہ یہ عجیب وغریب آدمی ہے، کیا کیا باتیں بناتا ہے، ہم تو ان میں سے کچھ نہیں جانتے، کبھی پرائیویٹ کمیٹی بلا کر سوچتے کہ محمد ﷺ کو کس طرح خاموش کر دیا جائے(۳)۔

---

(۱) بخاری، باب مناقب ابوبکرؓ

(۲) سیرۃ النبی ﷺ، ص ۲۸۸، جلد ۲

(۳) سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۱

اُسوہ حسنہ

اِن دل ہلا دینے والے واقعات کو پڑھیے اور سوچیے کہ رحمت عالم ﷺ ان کو خندہ پیشانی سے برداشت فرما رہے ہیں، پھر خدا سے کوئی شکوہ نہیں کرتے، ہمت نہیں ہارتے، اور کوئی ایسی بات نہیں ہونے دیتے جس سے مشرکین مکہ تبلیغ کے سلسلے میں آپ ﷺ کو بزدل کہہ سکیں، کیا مسلمانوں کے لیے ان زہرہ گداز تکلیفوں میں کوئی عبرت وبصیرت کا سبق نہیں ہے؟

رُوئے انور پر تھوک

تاریخ بتاتی ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کو پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا تھا، مخالفین کی شرارت کی داستان پڑھنے کے بعد ایک شریف انسان پر غصے اور دلی افسوس کی ملی جلی ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے، عقبہ بن معیط جو آنحضرت ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا اس نے ایک دن شیطنت کی انتہا کردی کہ حضور اکرم ﷺ کے رُوئے انور پر تھوک دیا، مگر رب العالمین کی قدرت کا یہ کرشمہ سامنے آیا کہ تھوک آپ ﷺ کے رُوئے انور پر پڑنے کے بجائے الٹ کر اسی موذی کے چہرے پر آپڑا، اور انگارہ بن کر اس نے اس ظالم کے چہرے کو ایسا داغ دیا کہ زندگی بھر برص کی طرح اس کے چہرے پر دکھائی پڑتا رہا[1]

رُوح فرسا مضحکہ

حکم بن العاص اور ابوجہل کو اپنی جماعت میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا مگر ان دونوں کے اخلاق واعمال کی گراوٹ کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیں کہ جہاں ان دونوں کی نگاہ آنحضرت ﷺ پر پڑجاتی آپ ﷺ کے پیچھے لگ جاتے اور اپنے منہ اور ناک سے بیہودہ قسم کی آواز چڑانے کے لیے نکالتے اور آپ کو دق کرتے تھے۔

ایک دن آپ ﷺ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور حکم نے جب یہ بیہودہ حرکت شروع کی، آپ ﷺ کو غصہ آگیا اور فرمایا تو ایسا ہی ہوجا، چنانچہ وہ ایسا ہی ہوگیا[2]۔

(۱) سیرت حلبیہ، ص ۳۰۲ (۲) سیرت حلبیہ، ص ۳۰۱، ۳۰۲

ان منکروں کا مذاق کیا بتایا جائے کس طرح کا ہوتا تھا، یہ بے ادب اور دشمن دین آنحضرت ﷺ سے کبھی کہتے تھے، دیکھو محمد ﷺ! تم پر ہم لوگ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہم سے کشتی لڑ کر ہمیں پچھاڑ نہ دو، اگر تم نے ہم کو پچھاڑ دیا، تو پھر ایمان لانے میں کوئی عذر نہ ہوگا[1]۔

ان ظالموں کی بدتہذیبی کے عجیب عجیب ڈھنگ ہوتے تھے، ایک دفعہ ایک بے حیا کافر آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: تم ہم لوگوں کو گالی گلوچ سے منع کرتے ہو، یہ کہہ کر اس بے حیا نے اپنی پیٹھ آپ ﷺ کے سامنے کر دی اور تہبند اٹھا دی، اس کی اس حرکت سے آپ ﷺ کو بے انتہا تکلیف ہوئی اور فرمایا تم پر لعنت ہو، آخر یہ کیا شرارت ہے؟[2]

ابوجہل کا ناپاک ارادہ

ایک دن ابوجہل قریش کی مجلس میں تقریر کرنے لگا، اور ان کو مخاطب کر کے بولا، کیا تم کو محمد ﷺ کی حرکتیں معلوم ہیں، وہ ہمارے دین کو معیوب بتاتا ہے، ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں کو بُرا بھلا کہتا ہے، ہم لوگوں کو احمق اور بے وقوف سمجھتا ہے، اور حد یہ ہے کہ وہ ہمارے باپ دادا کو بھی معاف نہیں کرتا، ان گزرے ہوئے بزرگوں کو بھی برا بھلا کہتا ہے، اس لیے میں نے تو طے کرلیا ہے کہ محمد کو کسی حال میں بھی معاف نہ کروں گا، اور ان کو ان کے کرتوت کا مزہ چکھا کر رہوں گا......کل وہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے لیے ضرور آئے گا، میں تاک میں رہوں گا، جونہی وہ سجدہ میں جائے گا اس کی گردن پر اتنا وزنی پتھر دے ماروں گا کہ اسی کے نیچے دب کر رہ جائے گا، تم لوگ بھی وہاں موجود رہنا، مزہ آجائے گا، چنانچہ یہ اسکیم پاس ہوگئی، اور دوسرے دن ابوجہل ایک وزنی پتھر لے کر ایک طرف کو بیٹھ گیا، قریش کا ایک خاصہ مجمع بھی ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ حسب دستور صبح سویرے نماز کے لیے تشریف لائے، آپ ﷺ کو ان شیطانوں کی اسکیم کی کوئی خبر نہ تھی، چنانچہ حسب دستور نماز شروع کر دی، اور پھر آپ ﷺ پر خضوع وخشوع طاری ہوگیا۔ جونہی آپ ﷺ نے سجدہ کے لیے زمین پر اپنی پیشانی رکھی، ابوجہل جھٹ سے

---

(۱) سیرت حلبیہ، ص ۳۰۶

(۲) لباب النقول عن تاریخ البخاری، برحاشیہ جلالین مصری، ج۱، ص۶۰

اٹھا اور پتھر لے کر آپ ﷺ کی طرف لپکا، کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر دے مارے، تا کہ آپ ﷺ کا سر مبارک کچل جائے اور کام تمام ہو جائے ...... مگر قریشی مجمع نے دیکھا کہ جتنی تیزی سے ابوجہل آگے بڑھا تھا، اس سے زیادہ پھرتی سے وہ پیچھے بھاگا، یہ دیکھ کر مجمع گھبرایا کہ کیا بات پیش آئی، سب دوڑ کر ابوجہل کے پاس پہنچے اور دریافت کیا، تم نے پتھر کیوں نہیں دے مارا، آخر پیچھے کیوں بھاگے؟ کیا ہوا؟ ابوجہل کہنے لگا، کیا بتاؤں پتھر لے کر دوڑا تھا کہ اسے مار ڈالوں مگر جونہی قریب پہنچا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مضبوط غصہ میں بھرا ہوا اونٹ مجھ پر بڑی تیزی سے دوڑا آ رہا ہے، اور مجھ کو چبا ڈالنا چاہتا ہے(۱)۔

تبلیغ اسلام میں رکاوٹ

ابوجہل کی شرارت کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیا جائے، بنی مالک بن کنانہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ایک دن سوق ذی المجاز میں (جو ایک بازار کا نام ہے) دیکھا کہ آپ ﷺ بازار میں چکر لگا کر فرما رہے ہیں لوگو! "لا الہ الا اللہ" پر ایمان لاؤ، فلاح پاؤ گے، اور ابوجہل آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے، اور آپ ﷺ پر دھول ڈالتا جا رہا ہے اور ساتھ ہی کہتا جاتا ہے لوگو! اس شخص کے بہکاوے میں نہ آنا، یہ اپنا آبائی دین چھوڑنے اور لات وعزی سے (جو بتوں کے نام ہیں) رشتہ توڑنے کو کہتا ہے، مگر آنحضرت ﷺ ابوجہل کی اس بکواس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے تھے اور اپنا کام پوری تندہی سے انجام دے رہے تھے(۲)۔

گزند پہنچانے کی سعی

یہ ایک حقیقتِ واقعہ ہے کہ کافروں نے اذیت دینے میں ذرا بھی رحم وکرم سے کام نہیں لیا، جو وہ کر سکتے تھے سب کچھ کیا اور ہر طرح سرور کائنات ﷺ کو ستایا، ایک مرتبہ کا واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہے تھے، اتفاق سے اس وقت کعبہ کے پاس عقبہ بن معیط، ابوجہل اور امیہ بن خلف

(۱) الشفا الکامل، ص ۱۱۷ (۲) جمع الفوائد، ص ۲۶، جلد ۲

تینوں بیٹھے تھے، جس وقت چکر لگاتے ہوئے ان لوگوں کے پاس سے گزرتے یہ لوگ گالیاں سناتے، تین چکر تک تو یہی حال رہا کہ آپ ﷺ گالیاں سنتے رہے اور طواف کرتے رہے، چوتھے چکر میں ان تینوں نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کا دامن تھامنا چاہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب میں نے بڑھ کر ابوجہل کو ہٹایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ کو، اور خود سرور کائنات ﷺ نے عقبہ بن معیط کو ہٹایا، اور آپ ﷺ نے فرمایا واللہ جب تک تم اللہ کے عذاب میں گرفتار نہ ہوگے اپنی شرارت سے باز نہیں آؤ گے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا یہ جملہ سن کر کفار لرز اٹھے۔

ابوسفیان کی مخالفت

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے سخت مخالف تھے، ان کی مخالفت اور عناد و دشمنی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت اور اسلام کے استیصال کو اپنا مقصد حیات بنالیا تھا۔ فتح مکہ سے پہلے جتنے غزوات ہوئے، سب میں یہ آپ ﷺ کی مخالفت میں آگے آگے رہے اور ان کی ساری قوتیں مخالفت نبوی ﷺ پر صرف ہوتی رہیں، ابوسفیان شاعر بھی تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار لکھ کر گلی کوچہ میں سناتے پھرتے تھے[1]۔

مار ڈالنے کا ارادہ

ایک دن سید الکونین ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل آ گیا، اس کی شقاوت نے اس کو اکسایا، چنانچہ وہ آگے بڑھا کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک کو اپنے پیروں سے کچل دے، مگر آگے بڑھنے کے بعد فوراً پیچھے پلٹ کر بھاگا، لوگوں نے اس سے دریافت کیا کیوں بھاگے؟ کہنے لگا، میرے اور محمد ﷺ کے درمیان دیکھا آگ کی خندق حائل ہوگئی، اور ایسے ایسے پروں والے نظر آئے ...... آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ قریب آتا، تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی اڑا ڈالتے[2]۔

---

(۱) سیر الصحابہ، جلد ہفتم، ص ۲۹۴

(۲) جمع الفوائد، ص ۱۹، جلد ۲

شرارت اور گالیاں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میری ماں اسلام نہیں قبول کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت گالی گلوچ دیا کرتی تھیں، میں جب ہر طرح عاجز ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال کہہ سنایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی اور اس کی برکت سے میری ماں کو قبولِ اسلام کی توفیق نصیب ہوئی[۱]

ایک دفعہ عوف بن صبرہ سہمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بیہودہ اور گستاخانہ کلمات استعمال کر رہا تھا، حضرت طلیب رضی اللہ عنہ نے سنا تو ان سے برداشت نہ ہوا، چنانچہ اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اس کو دے ماری[۲]۔

اسی طرح ایک بار ابواہاب بن عزیز دارمی کو قریش نے کہہ سن کر تیار کیا کہ وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو زدوکوب کرے، چنانچہ ابواہاب اس کے لیے تیار ہو کر نکلا، اتفاق سے اس کی حضرت طلیب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، حضرت طلیب رضی اللہ عنہ نے اچھی طرح اس کی مرمت کردی[۳]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں جب لوگوں کے پاس سے گزرتے تھے، تو مشرکین پیچھے سے اشارہ کر کے مذاق اڑاتے تھے کہ دیکھو! یہی وہ شخص ہے جس کا گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل امین علیہ السلام ہوتے ہیں۔ اللہ کا کرنا حضرت جبریل علیہ السلام نے اس طرح کر دیا کہ ان کافروں کے جسم میں ناخن کے نشان پڑ گئے، پھر وہ نشانات پھوڑوں میں تبدیل ہوگئے اور پھوڑے سڑ کر بدبو کرنے لگے جس کی وجہ سے دوسرے لوگ ان شریروں سے گھن کرنے لگے[۴]۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے نماز پڑھنے میں جب قرآن آواز کے ساتھ پڑھتے تھے تو مشرکین اس قرآن پاک کی آواز کو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، قرآن اتارنے والے اور جو لے کر نازل ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ

---

(۱) جمع الفوائد، ص ۲۹۷، جلد ۲ (۲،۳) مہاجرین، جلد ۲، ص ۲۶۲ بحوالہ اصابہ

(۴) لباب النقول للسیوطی برحاشیہ جلالین مصری، ج ۲، ص ۱۴ عن الطبری

اور حضرت جبریل علیہ السلام) سب کو گالیاں دیا کرتے تھے[1]۔

”بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے، تو ایک خبیث عورت کہنے لگی، اے محمد ﷺ! معلوم ہوتا ہے تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔“[2]

اُسوہ حسنہ

ان دل گداز واقعات کو غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ رحمت عالم ﷺ کن حالتوں سے دوچار ہو کر اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہے تھے، اور کس قدر اذیتوں کو برداشت کر کے حق کا اعلان فرما رہے تھے، پورا مکہ اور سارے مشرکین آپ ﷺ کے خلاف ننگی تلوار کی حیثیت رکھتے تھے، کاش آج کا مسلمان خدا کے لیے سوچتا کہ اسلام کی دولت دنیا کو کس طرح ملی، اور آخری امت ہونے کی حیثیت سے ہم پر اس کی کتنی ذمہ داری ہے۔

دینِ اسلام میں مایوسی کی کوئی گنجائش نہیں، پُر خار وادیوں سے ہو کر ہی آدمی منزل مقصود کو پاتا ہے، اور گمراہ دنیا کی اصلاح کر سکتا ہے، مخالفین کی مخالفتیں ہیچ ہیں اگر مسلمان مومنِ کامل بن کر زندگی گزارنے کے لیے تن، من، دھن سے آمادہ ہو جائے۔

---

(۱) لباب النقول للسیوطی، ج۲، ص۲۶

(۲) موضح الفرقان برحاشیہ قرآن، ص۷۷۸ و مسلم باب اذی المشرکین، جلد دوم۔

اذیتِ رسول ﷺ کی تدبیریں

قریش مکہ کی جانب سے آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں پہنچانے کی آئے دن مختلف تدبیریں رہتی تھیں، اور شرارت وشیطنت کے نئے نئے ڈھنگ سوچے جاتے تھے، چنانچہ اہلِ مکہ نے ایک دفعہ مطالبہ کیا، کہ دیکھو محمد ﷺ ہم تم کو اس وقت تک سچا نہیں مان سکتے اور نہ ایمان ہی لا سکتے ہیں جب تک ایسا نہ ہو کہ تمھارے حکم سے زمین سے ایک شیریں چشمہ ہمارے لیے جاری ہو جائے، یا تم اپنے لیے ایسا عمدہ باغ دفعتہً زمین سے پیدا نہ کر لو، جس میں کھجوریں ہوں، انگور ہوں، اور اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔

طعن وتشنیع

کبھی کہتے ہاں ہاں اگر آپ نبی ﷺ بنتے ہیں، رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایمان نہ لانے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں تو ایسا کیجیے کہ اس آسمان کو ہمارے اوپر گرادیں، کہ ہم اس کے نیچے چور چور ہو جائیں، گویا اس طرح مذاق اڑاتے اور اپنے خیال میں ٹھٹھا مخول کرتے، کبھی اس سے بھی عجیب وغریب باتیں کہتے کہ ہم محمد ﷺ کو اس وقت خدا کا سچا رسول جانیں کہ یہ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کردے، اور اللہ ہمارے سامنے خود کہے کہ محمد بن عبداللہ ہمارا برگزیدہ رسول ہے اور فرشتے اس بات کی ہمارے سامنے گواہی دیں، پھر ہم کو ایمان لانے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔............

کبھی یہ کفار آنحضرت ﷺ سے محض مذاق اور مضحکہ کے طور پر کہتے کہ ہم ان کے لائے ہوئے دین پر اس وقت ایمان لائیں گے، کہ ان کا گھر سونے کا بن جائے، یا سونے کا نہ بن سکے تو سنہرا ہی ہو جائے یعنی اس پر سونے کا ملمع ہو جائے ...... کبھی معراج پر طنز کرتے ہوئے کہتے کہ اگر یہ ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ہمارے لیے ایک مقدس کتاب ساتھ لے آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئیں گے ......
کبھی جھلا کر کہتے کہ آدمی بھی کہیں نبی اور رسول ہوا کرتا ہے کہ ہم ان کو نبی و رسول مان لیں[۱]۔

مضحکہ خیز سوالات

کبھی یہ مشرکین یہود کے پاس پہنچ جاتے، اور سوچ بچار کر آتے اور آپ ﷺ سے سوال کرتے، کہ شروع زمانے والے جوان کون لوگ تھے؟ جس نے زمین کا چکر لگایا تھا وہ کون صاحب تھے؟ اور روح کیا چیز ہے؟[۲]

کبھی یہ گستاخی اور محض عناد سے کہتے محمد (ﷺ) کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے، یا خدا نے ہم سے کیوں گفتگو نہیں کی؟

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ (الانعام۶:۱۲۴)

کبھی کافر کہتے اور لوگوں کو بہکانے اور آپ ﷺ سے برگشتہ کرنے کے لیے کہتے کہ دوسری آسمانی کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ یہ تھوڑا تھوڑا کر کے برسوں میں اتارنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا ہے، منشا یہ تھا کہ یہ قرآن خدا کی کتاب نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کا کلام ہے، اور آپ ﷺ سوچ سوچ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور آیت آیت کر کے بناتے ہیں[۳]۔

یہ اور اس طرح کے سینکڑوں سوالات منکرین پیدا کرتے جن کا مقصد آنحضرت ﷺ کو پریشان کرنا ہوتا، ورنہ ان کا مقصد اگر اپنا خلجان دور کر کے ایمان لانا ہوتا تو یہ واضح رہنا

---

(۱) دیکھیے سورہ بنی اسرائیل ۱۰-۱۱

(۲) انوار المحمدیہ، ص ۲۹ (۳) سورہ الفرقان

چاہیے کہ ان تمام اعتراضات کا اور سارے گھڑے ہوئے شکوک وشبہات کا ایک ایک کر کے جواب دیا گیا اب بھی قرآن پاک میں ان سارے اعتراضوں کے جوابات تفصیل سے موجود ہیں، علاوہ ازیں بیسیوں واقعات ایسے پیش آئے کہ انھوں نے سوالات کیے، ان کو فوراً تسلی بخش جواب دیا گیا، اور وہ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا، مگر پھر یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ یہ محمد ﷺ بڑا جادوگر ہے، کہانت میں بھی اس کو بڑی مہارت ہے، اور نہ معلوم کیا کیا کہتے، لیکن مقصد ان تمام کا آپ ﷺ کی باتوں کو بے اثر کرنا، اور لوگوں کو آپ سے دور رکھنا ہوتا۔

بیہودہ بکواس

مکہ معظمہ میں ایک نصرانی غلام تھا جو کبھی کبھی اپنی زبان میں کتب مقدسہ پڑھا کرتا تھا، آنحضرت ﷺ اس راستہ سے کبھی گزرتے تھے تو اس کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے، آپ ﷺ نے جب دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا، تو کفار کہنے لگے محمد ﷺ کو اسی نصرانی غلام نے کچھ سکھا دیا ہے، بس وہی قرآن کے نام سے ہم میں پڑھتے ہیں، قرآن پاک نے اس واقعہ کو نقل کر کے جواب دیا کہ غلام اور اس کی کتاب کی زبان عربی نہیں تھی اور نہ غلام عربی ہی جانتا تھا، پھر آنحضرت ﷺ کی زبان صرف عربی، اب سوچنے کی بات ہے یہ بکواس کیسی رہی[۱]۔

آنحضرت ﷺ سے سوالات

کفار مکہ ایک دفعہ جا کر یہودیوں سے ملے، اور ان سے اس باب میں مشورہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کو کیسے پریشان کیا جائے، یہودیوں نے سکھایا کہ تم جا کر ان سے پوچھو، اصحاب کہف کون تھے، ان کے حالات بیان کیجیے، حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا کیا واقعہ پیش آیا۔ سنایے، اور ذوالقرنین کے متعلق آپ ﷺ کیا جانتے ہیں؟ چنانچہ کافروں نے آکر آپ ﷺ سے سوال کیا، اور آپ ﷺ نے وحی کے ذریعے ان سوالات کے جواب دیے جو قرآن پاک میں سورۂ کہف میں موجود ہیں[۲]۔

---

(۱) سیرۃ النبی، ص۳۶۶، ج۳ (۲) سیرۃ النبی، ص۳۶۷، ج۳

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار ایک یہودی عالم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے آپ ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ! میں آپ ﷺ سے کچھ پوچھوں گا، آپ ﷺ جواب دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے جواب سے تم کو کیا فائدہ ہوگا؟ پھر اس نے سوال شروع کر دیا، فرمایئے! قیامت کے دن جس وقت زمین و آسمان بدلے جائیں گے لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پل کے پیچھے تاریکی میں...... دوسرا سوال کیا اچھا بتایے سب سے پہلے جنت میں کن لوگوں کو داخلے کی اجازت ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان غریبوں کو جوحق کے لیے گھر سے بے گھر ہوئے ہیں، ان سوالات کے بعد پھر اور بھی متعدد سوالات اس یہودی عالم نے کیے، آپ ﷺ نے سب کا تسلی بخش جواب دیا، اس نے اطمینان کا اظہار کیا اور چلتا بنا[۱]، ایمان نہیں لایا۔

مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ چند یہودی خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور چار سوالات کیے، آنحضرت ﷺ نے ان تمام سوالات کے اطمینان بخش جواب سے ان لوگوں کو نوازا مگر وہ ایمان نہیں لائے[۲]۔

اس طرح کے متعدد واقعات کتب حدیث میں مذکور ہیں مگر معلوم ہوتا ہے ان معترضین کا مقصد شکوک وشبہات کا ازالہ نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کو خاموش کرنا، اور نیچا دکھانا تھا، کہ کسی طرح آپ ﷺ تبلیغ دین کا کام بند کر دیں اور اشاعتِ اسلام کا زور رک جائے، مگر تاریخ شاہد ہے کہ کفار اپنے ان مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔

❋......❋......❋......❋

(۱) سیرۃ النبی، ص ۴۶۸، ۴۶۹ ج ۳

(۲) سیرۃ النبی، ص ۴۶۸، ۴۶۹ ج ۳

مصالحت کے پیرایہ میں......اذیتِ رسول ﷺ کی سعی

ایسا بھی موقع آیا کہ کافروں نے آپ ﷺ کی دلجوئی کر کے تبلیغ حق کو روکنا چاہا، اس سلسلے میں چاپلوسی اور حرص وآز کی باتیں کر کے بخیال خویش آپ ﷺ کو اپنے کام سے غافل کرنا چاہا، مگر ایسا کیوں کر ہوتا، چنانچہ ایک دفعہ کچھ قریش خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، اور کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ کو شرافت کی ضرورت ہے تو آپ کو ہم اپنا سردار بنالیں، اگر حکومت کی خواہش ہے تو فرمایئے ہم اپنا حاکم مان لیں، اگر جن آتا ہے تو کہیے کسی عامل کو بلوا کر اپنے اخراجات سے علاج کرا دیں، آپ ﷺ نے ان کی یہ ساری باتیں سن لیں اور سنجیدگی سے جواب دیا، مجھے ان میں سے کچھ نہیں چاہیے، آپ ﷺ حضرات سن لیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور آپ سب کو کفر وشرک سے روک کر راہِ حق پر لگانا چاہتا ہوں۔

مناظرے کی کوشش

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن قریش کا اجتماع ہوا اور طے پایا کہ اپنے مذہب والوں میں سے اس کو بلایا جائے، جو اعلیٰ درجہ کا شاعر، کاہن اور جادوگر ہو، اور اس سے کہا جائے کہ وہ جا کر محمد ﷺ سے باتیں کرے، جس نے نبوت کا دعویٰ کر کے ہم میں انتشار پیدا کر دیا ہے، اور ہمارے دین کو معیوب بتاتا ہے، اس سلسلے میں عتبہ بن ربیعہ کا

انتخاب ہوا، اس کو اس کام کے لیے بلایا گیا، عتبہ تیار ہو کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، اور اس نے سوال کیا، اے محمد ﷺ! تم بہتر ہو یا تمہارے باپ عبداللہ اچھے تھے؟ آپ ﷺ نے خاموشی سے جواب دیا، پھر اسی سوال کو اس نے دہرایا۔ آپ ﷺ نے پھر بھی خاموشی ہی اختیار کی، تیسری مرتبہ عتبہ نے خود کہا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارے باپ دادا اچھے تھے، تو وہ سب اسی دین کو مانتے تھے جس کو تم برا بھلا کہتے ہو، اور اگر تم اپنے کو اچھا سمجھتے ہو، تو بات کرتا کہ ہم بھی سنیں...... اتنا کہہ کر عتبہ غصے میں مبہوت ہو گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم تم قوم میں سب سے زیادہ مبغوض اور منحوس ہو، تم نے ہم میں پھوٹ ڈال دی، انتشار پیدا کر دیا، ہمارے دین دھرم کو برا بھلا کہا اور اس طرح عرب میں ہماری فضیحت کر دی، اور پھر بہت دیر تک اسی طرح کی الٹ پلٹ بکتا رہا۔

لالچ میں ڈالنے کی سعی

اس نے دیکھا کہ ان باتوں میں کوئی اثر نہیں ہے تو پھر یوں کہنا شروع کیا:

> ''اگر تم کو مال و دولت کی حاجت ہے تو کہو ہم اتنا مال جمع کر کے دے دیں کہ قریش میں تم سب سے بڑے مال دار بن جاؤ، اور داعیات نفس پورا کرنا چاہتے ہو تو قریش میں سے جن دس عورتوں کو چن لو، ہم ان سے تمھاری شادی کر دیں۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا بس ہو چکا، اب کچھ میری بھی سنیے، اس کے بعد آپ ﷺ نے:

> ﴿حٰمٓ o تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ o بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ o وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ o قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ o الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ o اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ o قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ

الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝﴾(حم سجدہ:۱تا۱۳)

پڑھ کر سنایا، عتبہ نے سن کر کہا بس یہی کافی ہے یا اور بھی کچھ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بس، اور کچھ نہیں۔

عتبہ یہ گفتگو کر کے قریش میں واپس آیا اور بتایا کہ جو حکم ہوا تھا اس کے مطابق میں نے مدعی نبوت سے بات چیت کی، لوگوں نے پوچھا، اس نے کچھ جواب بھی دیا؟ عتبہ نے کہا ہاں، مگر میں صرف اتنا سمجھ سکا کہ اس نے کہا میں تم کو صاعقہ سے ڈراتا ہوں، لوگ عتبہ پر بگڑے کہ تم نے ایک شخص سے بات چیت کی، اور اس نے تم کو عربی میں جواب دیا، پھر بھی تمہاری سمجھ میں نہ آیا، عتبہ نے قسم کھا کر کہا کہ واللہ صاعقہ کے ذکر کے سوا کچھ بھی نہ سمجھ سکا[1]۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ایک طرف اگر ڈرایا اور دھمکایا گیا، تو دوسری طرف حرص و آز کے جال بھی بچھائے گئے اور پوری جدوجہد اور سعی پیہم کی گئی کہ کس طرح آنحضرت ﷺ کو تبلیغ حق سے روک دیا جائے اور حق کی آواز دبا دی جائے، مگر خدا کے برگزیدہ رسول ﷺ ان باتوں میں کیوں آنے لگے۔

مصالحت کی گفتگو

کبھی کافروں کا وفد خدمت سرور کائنات ﷺ میں حاضر ہوتا، اور کہتا اے محمد ﷺ! آپ ﷺ ان تمام جھگڑوں کو ختم کیجیے، ہمارے معبودوں (دیوتاؤں) کی پوجا کیجیے، ہم

(۱) جمع الفوائد، ص۳۶، ج۲

آپ ﷺ کی ساری ضرورتوں کے کفیل بن جائیں گے(۱)۔

کبھی مشرکین آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے اچھا ایسا ہو کہ آپ ہمارے دیوتاؤں کی پوجا کریں ہم آپ کے معبود کی پرستش کریں گے...... کبھی کہتے میل ملاپ کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ آپ اس قرآن کو ہٹائیں، اور دوسرا قرآن لا کر پیش کریں، مگر اس دوسرے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس میں جو باتیں ہوں وہ ہماری پسند کے مطابق ہوں، اور یہ دوسرا قرآن ان تمام چیزوں سے پاک ہو، جن کو ہم پسند نہیں کرتے، اور عذاب کی آیتیں رحمت کی خوشخبریوں سے بدلی ہوئی ہوں، اگر ایسا ہوگیا تو ہم کو آپ ﷺ پر ایمان لانے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

اُسوہ حسنہ

مختصر یہ کہ مشرکین مکہ اس طرح کی بے ہودہ باتوں سے آنحضرت ﷺ کو اذیت پہنچاتے رہتے، مگر آپ ﷺ ان سب کا سنجیدگی سے معقول جواب دے کر ان کو خاموش کر دیتے اور پھر اپنے کام میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے۔

ان واقعات میں ان مسلمانوں کے لیے درس عبرت ہے جو مشرکانہ رسم ورواج میں مبتلا ہیں، اور اپنے گھروں کو ان سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کرتے، شرک میں مبتلا رہ کر اپنے آپ کو پکا مسلمان سمجھتے رہنا نفس کا دھوکہ ہے، ساتھ ہی سیرت نبوی ﷺ کے اس پہلو میں ان حریص مسلمانوں کے لیے سبق ہے جو لالچ کی وجہ سے یا ڈر کی وجہ سے حق پر رہتے ہوئے باطل کی ہاں میں ہاں ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔

❋......❋......❋......❋

(۱) سیرت حلبیہ، ص۲۹۰،۳۶۹، ج۱

رحمتِ عالم ﷺ پر کیے گئے بے انتہا مظالم

آنحضرت ﷺ کے خلاف کافروں نے اتنا زبردست پروپیگنڈا کیا کہ بچہ بچہ آپ ﷺ کا مخالف اور دشمن بن گیا، گھر گھر آپ ﷺ کو گالیاں دینے والے اذیت پہنچانے والے اور پریشان کرنے والے موجود تھے۔ مکی زندگی میں قریش اور مدنی زندگی میں یہود ونصاریٰ نے بے حد ستایا، شاعر شعروں میں آپ ﷺ کی ہجو کرتا، سردار لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کے خلاف تقریر کرتا، اور عوام اپنے گھروں میں بیٹھ کر آپ ﷺ کو گالیاں دیتے۔

گالیاں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک نابینا مسلمان بزرگ تھے، ان کی ایک اُم ولد تھی، جو اٹھتے بیٹھتے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، اس کے آقا اس گستاخ لونڈی کو منع کرتے کہ اس بے ادبی سے باز آئے، اور آپ ﷺ کی شان میں بے ہودہ کلمات زبان پر نہ لائے مگر وہ کسی طرح بھی باز نہیں آئی، ایک رات انھوں نے سنا کہ وہی لونڈی آپ ﷺ کی شان میں ناروا کلمات زبان پر لا رہی ہے اور بے تحاشا گالیاں دے رہی ہے، اس بزرگ سے برداشت نہ ہو سکا۔ چنانچہ ایک چھرا گھونپ کر

اپنی اس امّ ولد کو جان سے مار ڈالا[۱]۔

کعب بن اشرف کی عداوت

کعب بن اشرف نامی یہودی بنی نضیر سے خاندانی تعلق رکھتا تھا، اور بااثر تھا، اس کو سرکار کائنات ﷺ سے شدید عداوت تھی، آپ ﷺ کے خلاف بہت کچھ بکتا رہتا تھا، قریش سے مل کر آپ ﷺ کو مٹانے کی تدبیریں سوچتا، ان کو آمادہ کرتا کہ تم حملہ آور ہو کر ان کو تباہ کرو، ہم تمہاری ہر طرح مدد کریں گے، اور اس نے قریش کو بالآخر اس پر آمادہ بھی کر لیا تھا[۲]۔

آنحضرت ﷺ کی ہجو

بنی عمر بن عوف میں ایک بوڑھا آدمی تھا، جس وقت آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے ہیں اس کی عمر اکیس بیس سال تھی، یہ ابوعفک کے نام سے مشہور تھا، اس کو آنحضرت ﷺ سے خواہ مخواہ کی بے انتہا دشمنی تھی، جہاں بیٹھتا آپ ﷺ کی برائی بیان کرتا اور اپنے حلقۂ اثر میں آپ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈا کرتا[۳]۔

ایک شخص انس بن الدیلی تھا، یہ آنحضرت ﷺ کی ہجو کرتا رہتا تھا اور آپ ﷺ کی شان میں بکواس کرتا پھرتا تھا۔ ایک دن ایک مسلمان سے اس کی بے تمیزی دیکھی نہ گئی اور اس نے غصہ میں اس کا سر توڑ ڈالا[۴]۔

قبیلہ خطمیہ میں ایک عورت تھی جس کی دشمنی کا حال یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی ہجو کرتی، موقع پا کر ایذ پہنچانے کی سعی کرتی، اسلام کے خلاف زہر اگلتی اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف اکساتی تھی[۵]۔

دو عورتوں نے یہ ڈھنگ رچایا کہ گانے بجانے کا کام تو کرتی ہی تھیں جہاں جاتیں آنحضرت ﷺ کی ہجو میں گانا گاتیں اور اس طرح لوگوں کو آپ ﷺ سے بدظن کرتیں، اور لوگ شوق سے یہ سب سنتے اور خوش ہوتے[۶]۔

---

(۱) الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ابن تیمیہ، ص ۶۷ بحوالہ ابوداؤد

(۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ایضاً (۵) ایضاً (۶) ایضاً

دشمنانِ رسول ﷺ

قریش میں ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے خصوصی عداوت تھی، اور یہ سب آپ ﷺ سے استہزاء اور ٹھٹھا مخول کرتے رہتے تھے:

① ولید بن مغیرہ ② عاص بن وائل ③ اسود بن عبدالمطلب ④ اسود بن عبد یغوث
⑤ حارث بن قیس ⑥ عتبہ بن معیط ⑦ ابوجہل ⑧ ابولہب

رسول اکرم ﷺ پر اتہام

ایک دفعہ ایک ظالم نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح تکلیف پہنچائی کہ وہ ایک عورت پر عاشق تھا، نکاح کا پیغام بھیجا تو رد کر دیا گیا۔ اب اس نے یہ تدبیر کی کہ ایک جوڑا زیب تن کیا اور اس قبیلہ میں پہنچ کر کہنے لگا، مجھے یہ جوڑا آنحضرت ﷺ نے پہنایا ہے اور تمھارے اس قبیلہ کا حاکم بنا کر بھیجا ہے اور اسی عورت کے یہاں اترا جس پر عاشق تھا، قبیلہ والوں نے ایک آدمی کو آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت حال کے لیے بھیجا، آدمی نے آکر بتایا یہ جھوٹا ہے[1]۔

آنحضرت ﷺ کی ہجو

فرات بن حیان اپنے اسلام لانے سے پہلے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے جاسوس تھے، مسلمانوں کی خبر اہل مکہ سے جا کر بیان کرتے، اور آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے[2]
کون کہہ سکتا ہے کہ ان واقعات سے آنحضرت ﷺ کو قلبی تکلیف نہ پہنچی ہوگی؟ مگر ان سب کو برداشت کرتے رہے۔ حق کی آواز پہنچاتے رہے اور کسی کی بکواس کو خاطر میں نہ لائے، مبلغین اسلام کے لیے ان حقائق میں بصیرت کا درس ہے کہ وہ ان حالات کو ذہن میں رکھیں پھر آنحضرت ﷺ کی سرگرمیٔ تبلیغ کو ملاحظہ کریں۔

---

(۱) الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ابن تیمیہ، ص ۱۶۶ بحوالہ ابوداؤد
(۲) سیرۃ النبی، ص ۲۸۸، ج ۲

آنحضرت ﷺ کے حق میں بددعا اور گالی

یہودیوں نے اپنا یہ شیوہ بنا رکھا تھا کہ خدمتِ نبوی ﷺ میں جب حاضر ہوتے تو ''السلام علیکم'' کے بجائے ''السّام علیك'' کہتے، جس کے معنی ہیں تم پر موت آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ ان کو اس طرح کہتے ہوئے سن لیا تو بہت خفا ہوئیں اور بول اٹھیں، موت تم لوگوں کو آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو صبر و تحمل کی فہمائش کی(۱)۔

ایک دفعہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ایک درخت کے نیچے آ کر لیٹ گئے، چار مشرکین وہاں آ دھمکے اور اُن کو دیکھ کر مشرکین آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینے لگے۔ حضرت ابوسلمہ ﷺ سے برداشت نہ ہوسکا، وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ چلے گئے(۲)۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بار بار آنحضرت کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا، مگر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار کے ذریعے اس کے ہاتھوں کو روک دیتے تھے(۳)۔

آنحضرت ﷺ سے مذاق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابنِ صوریا نے نبی کریم ﷺ سے کہا، بس ہدایت تو وہی ہے جس پر ہم ہیں، لہٰذا اے محمد ﷺ آپ ﷺ ہماری پیروی کیجیے تاکہ آپ ﷺ ہدایت یافتہ کہے جاسکیں(۴)۔

انھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رافع بن خزیمہ نے ایک مرتبہ رسول مقبول ﷺ سے کہا کہ اگر تم سچے رسول ہو جیسا تمہارا دعویٰ ہے تو اللہ سے کہو کہ وہ ہم سے بات چیت کرے تاکہ ہم سنیں(۵)۔

اسلام کی اشاعت بند کرنے کی ترکیب

ایک دفعہ عبداللہ بن الصیف، عدی بن زید، اور حارث بن عوف نے باہم مشورہ کیا کہ ایسا کیوں نہ ہو کہ ہم میں سے کچھ لوگ محمد ﷺ اور اس کی دعوت پر ایمان لے آیا کریں پھر کچھ دنوں کے بعد انکار کر دیا کریں، تاکہ لوگوں میں یہ خبر پھیل جائے کہ اس

---

(۱) سیرۃ النبی، ص......، ج ۲ (۲) ایضاً بحوالہ مسلم، ص...... (۳) ایضاً بحوالہ مسلم، ص ۱۴۸
(۴) لباب النقول، للسیوطیؒ، ص ۲۳، ج ۱ (۵) لباب النقول، للسیوطیؒ، ص ۲۱، ج ۱

دین میں کوئی اندرونی خرابی ہے جس کی وجہ سے ایسا ہوتا رہتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ اس دین کے ماننے سے خود بخود کترائیں گے[۱]۔

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور وہ باضابطہ مسلمان ہوگیا، پھر اس نے سورۂ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی، چونکہ لکھنا جانتا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس کو وحی کے کاتبوں میں شریک کرلیا، مگر چند ہفتوں کے بعد وہ پھر مرتد ہوگیا، اور عیسائی بن گیا اور لوگوں میں یہ غلط پروپیگنڈا کرنے لگا کہ محمد ﷺ کچھ نہیں جانتے، میں نے ہی کچھ لکھ کر ان کے حوالے کردیا تھا، بس وہی ان کے پاس ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو موت دے کر بہت جلد اس افترا پردازی کا دروازہ بند کردیا[۲]۔

رسول اکرم ﷺ کو گالیاں

ایک یہودی عورت برابر آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، ایک دن ایک مسلمان نے سنا تو اس سے برداشت نہ ہوسکا، اور اس نابکار کا گلا گھونٹ ڈالا[۳]۔

یہودی خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے، اور آپ ﷺ کچھ فرماتے ہوتے تو زبان دبا کر کہتے "راعنا" یوں تو عام طور پر اس کا مطلب تھا، رعایت فرمایے مگر حقیقت میں یہودیوں کے یہاں یہ ایک سخت گالی تھی[۴]۔ (یوں بھی عین کے زیر کو کھینچ کر "ی" کی آواز بڑھادی جائے تو اس کا معنی ہوگا، ہمارا چرواہا) ﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ (البقرۃ۲:۱۰۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک دفعہ ایک اعرابی سے ایک وسق کھجور کے بدلے ایک اونٹ خریدا۔ اس اعرابی کو لے کر گھر تشریف لائے، اتفاق سے گھر میں کچھ نہ تھا، اس دیہاتی سے کہا کہ دیکھو میں نے کہا تھا تم کو ایک وسق کھجوریں مل جائیں گی، مگر اس وقت نہیں ہیں، بس اتنا سننا تھا کہ دیہاتی چلاّنے لگا۔

---

(۱) لباب النقول، طی، ص۵۴، ج۱
(۲) سیرۃ النبی، ص ۳۶۷، ج۳، عن البخاری
(۳) الصارم المسلول، ص۶۰
(۴) الصارم المسلول، ص۲۳۱

بدعہدی کی، دھوکہ دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا تو ان کو بہت برا معلوم ہوا، چنانچہ اس کو تنبیہ کی کہ ایسی بات آپ ﷺ کو کہتا ہے! آپ ﷺ نے فرمایا اِسے چھوڑ دو[۱]۔

قرآن کو بے وقعت کرنے کی کوشش

نضر بن الحارث کہا کرتا تھا ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا کر پیش کر سکتے ہیں، ان میں قصے اور کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے[۲]۔

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ﴾ (الانفال۸:۳۱)

کافروں نے یہ تدبیر نکالی کہ آنحضرت ﷺ جب قرآن پڑھیں، ہم میں سے کوئی ادھر کان نہ لگائے، اور ہم سب مل کر اس قدر شور وغل مچائیں کہ جو سننا چاہے وہ بھی نہ سن سکے، اس طرح قرآن کی آواز کو ہم لوگ دبا دیں گے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (حم السجدہ، فصلت۴۱:۲۶)

❁......❁......❁......❁

(۱) الصارم المسلول، ص ۲۳۶
(۲) موضح الفرقان، ص ۲۳۳

منافقین کی شرارت وشیطنت

سرکار کائنات ﷺ کے دشمنوں میں منافقوں کا ایک گروہ تھا، جو مارآستین بن کر اسلام کونقصان پہنچانے کر درپے رہتا، ظاہر میں اپنے کومسلمان کہتا مگرحقیقت میں وہ کافر تھا، اور اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف تدبیریں سوچتا رہتا۔ اس گروہ نے سید الکونین ﷺ کو بہت زیادہ ستایا، اور مختلف طور پر قلبی اذیت پہنچائی، یہ نالائق بڑے بزدل، ڈرپوک اور فتنہ پرداز تھے، ان کے عجیب وغریب واقعات ہیں، چند یہاں ملاحظہ فرمائیں:

آنحضرت ﷺ پر عدم اعتماد کا اظہار

ایک منافق جو ظاہر میں مسلمان ہوگیا تھا اس کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوگیا، یہودی سچا تھا اور یہ منافق مسلمان جھوٹا تھا، یہودی نے کہا محمد ﷺ کے پاس چلو، جو وہ فیصلہ کریں ہم دونوں مان لیں، مگر منافق کو علم تھا کہ آپ ﷺ فیصلہ درست فرمائیں گے، وہاں انصاف کے سوا کچھ نہیں چل سکتا، ساتھ ہی وہ جانتا تھا کہ یہودی جھگڑوں کے فیصلہ میں رشوت اور رعایت کے عادی ہیں۔ چنانچہ منافق نے کہا کعب بن اشرف کے پاس چلو، جو ایک یہودی عالم اور سردار تھا، مگر بالآخر معاملہ سید الکونین ﷺ ہی کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ نے یہودی کا حق ثابت فرمایا، وہاں سے دونوں نکلے تو منافق کہنے لگا کہ اچھا مقدمہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے چلو، وہ جو فیصلہ کر دیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ اس نے

سمجھا ہوگا چونکہ میں مدعی اسلام ہوں اس لیے ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری رعایت کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی اجازت سے فصلِ خصومات کیا کرتے تھے، دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قضیہ لے کر پہنچے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سارا قصہ سنا اور جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ مقدمہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا چکا ہے اور آپ کا فیصلہ یہودی کے حق میں ہو چکا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منافق کی یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی، انھوں نے اس کو قتل کر دیا[1]۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ﴾(النساء٤:٦٠)

جہاد سے کتراتا اور مسلمانوں کا برا چاہنا

شروع میں لالچ یا خوف سے کچھ ضعیف الاسلام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر جب جہاد فرض ہوا، اور جان مال کی بازی کا موقع آیا تو متزلزل ہو گئے۔ اور گھن کی طرح مسلمانوں کو نقصان پہنچانے لگے، کافروں کی ہاں میں ہاں ملاتے اور جہاد سے کتراتے تھے، ان کے سامنے ہمیشہ دنیوی نفع ہوتا تھا، جیسے عبداللہ بن ابی وغیرہ ، جہاد میں مسلمانوں کو اگر کوئی صدمہ پہنچتا یا ان کو ہزیمت ہوتی تو منافقوں کا یہ گروہ بہت خوش ہوتا، اور کہتا پھرتا اللہ کا بڑا فضل ہوا ہم جہاد میں نہیں گئے، ورنہ ہماری بھی یہی درگت بنتی، اور اگر مسلمانوں کو جیت ہوتی، مال غنیمت ہاتھ آتا تو منافق پچھتاتے، بہت افسردہ ہوتے، اور افسوس ظاہر کرتے کہ کاش مسلمانوں کے ساتھ ہم بھی ہوتے، تو مال غنیمت میں حصہ پاتے اور سب سے بڑا غم ان کو یہ ہوتا کہ مسلمان کامیاب واپس آئے۔

فریب اور شرارت

منافقین کی مکاری کی یہ عالم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے جو کچھ ان سے کہتے فوراً بول اٹھتے کہ ہم کو قبول ہے اور جونہی دربار رسالت سے باہر آتے اس کی مخالفت میں مشورہ شروع کر دیتے:

(۱) الصارم المسلول، ص۲۹ موضح الفرقان برحاشیہ قرآن، ص۱۱۲

﴿وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ﴾ (النسا،٤:٨١)

منافقین کی ایک شرارت یہ بھی تھی جہاں کوئی بات سن لی، اس کو مشہور کر دیا، جس سے آنحضرت ﷺ کو بعض مواقع پر بہت نقصان پہنچتا تھا، کبھی مسلمانوں میں خوف وہراس پھیل جاتا، کبھی کوئی راز فاش ہو کر دشمنوں کو مدد پہنچ جاتی، کبھی کچھ اور بات پیش آجاتی۔ (النساء:٥١)

جہاد کے نام سے تو منافقوں کو موت آنے لگتی تھی اور طرح طرح کے حیلے بہانے تراشنے لگتے، ایک موقع پر ایک بڑے منافق جد بن قیس نامی نے جہاد پر نہ جانے کا جو عذر بیان کیا اسے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کتنے بے حیا ہوتے تھے، اس نے عذر پیش کیا حضرت! مجھے یہیں رہنے دیجیے، روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں، انھیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا، وہاں لے جا کر مجھے گمراہی میں نہ ڈالیے[1]۔

سرور کائنات ﷺ سے تمسخر

غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے از راہ تمسخر کہا اور آپ ﷺ کی طرف اشارہ کیا کہ اس شخص کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کر لینے کے خواب دیکھتا ہے، انھوں نے رومیوں کی جنگ کو باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ ہمیں یقین ہے کل ہم سب رسیوں میں بندھے ہوئے رومیوں کے سامنے کھڑے ہوں گے، یہ ہمارے قراء (صحابہ کرام) پیٹو، چھوٹے، اور نامرد روم کی باقاعدہ فوجوں سے کیا لڑیں گے[2]، یہ سارے طعنے رسول مقبول ﷺ کے قلب کو زخمی کرنے اور مسلمانوں کو رومیوں سے مرعوب اور ہیبت زدہ کرنے کے لیے دیے جاتے ہیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی آپ ﷺ نے ان سے باز پرس کی، یہ فتنہ پرداز جواب کیا دیتے، کہنے لگے حضرت! ہم یہ اعتقاد سچ مچ تھوڑا ہی رکھتے ہیں، یہ تو تفریحاً

(۱) موضح الفرقان، ص۲۵۲

(۲) الصارم المسلول، ص۳۳ و موضح الفرقان، ص۲۵۴

راستہ گزارنے کے لیے کہہ رہے ہیں ﴿اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ﴾ (التوبہ۹:۶۵)
عبداللہ بن ابی منافق نے ایک سفر میں اپنے ساتھیوں سے کہا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو بدو (صحابہ کرامؓ) ہیں، ان کو کچھ نہ دو، تاکہ وہ سب آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ جائیں، اور آپ ﷺ بے یارومددگار رہ جائیں، اب ہم مدینہ لوٹ جائیں گے، تو ہم معزز (منافقین) لوگ ذلیل (صحابہ) لوگوں کو نکال بھگائیں گے[۱]۔

منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی بدگوئی کرتے، سچے مسلمانوں پر آوازے کستے، دینی باتوں کا مذاق اڑاتے، اور احکام دین کے ساتھ تمسخر وٹھٹھا کرتے، مگر ان میں کا بعض یہ سوچ کر کہ ممکن ہے ان باتوں کی خبر آپ ﷺ کو ہو جائے، روکتا کہ ایسا نہ کہو، تو سب کہنے لگتے کیا مضائقہ ہے، وہ تو کان ہی کان ہیں، ہم ان کے سامنے جو تاویل کر دیں گے سن کر مان لیں گے[۲]۔

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ﴾ (التوبہ۹:۶۱)

صحابہؓ کی حوصلہ شکنی کی تدبیر

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو کسی موقع پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے جس سے جو ہو سکا صدقہ میں حصہ لیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار (دینار یا درہم) حاضر کیا، عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ایک سو وسق کھجوریں (جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی) پیش کیں، منافقین طعنہ دے کر کہنے لگے کہ اِن دونوں نے دکھلاوے اور نام ونمود کے لیے اتنا دیا ہے۔ ایک غریب صحابی ابوعقیل رضی اللہ عنہ جو مزدوری کر کے تھوڑی سی کھجوریں لائے تھے انھوں نے اسی میں سے ایک صاع کھجوریں صدقہ کیں، منافقین یہ کہہ کر ان کا مذاق اڑانے لگے کہ یہ خواہ مخواہ زور آوری سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اس کی ایک صاع (ڈھائی سیر) کھجوریں کیا بنا لیں گی۔ گویا ان منافقین کی زبان طعن سے نہ

(۱) سورہ منافقون وترمذی، ابواب التفسیر
(۲) الصارم المسلول، ص۳۰ و دیگر کتب

زیادہ دینے والا ہے اور نہ کم دینے والا[1]۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾(التوبۃ۹:۷۹)

منافقین کا مقصد حضور ﷺ اور اسلام کو ان باتوں سے نقصان پہنچانا تھا، اور صحابہ کرامؓ کو دل برداشتہ کرنا۔

جہاد کے لیے جب تیاری شروع ہوتی تو منافقین اس کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیتے کہ اتنی شدت کی گرمی میں کہاں جہاد پر جاؤ گے؟ خدا کے لیے اپنی جان پر رحم کرو، یہ آپس میں ایک دوسرے سے بھی کہتے، اور موقع پا کر سیدھے مسلمانوں سے بھی:

﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ﴾(التوبۃ۹:۸۱)

بے انصافی کا الزام

غزوۂ حنین میں مال غنیمت ہاتھ آیا، تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں اس کو تقسیم کر دیا، ایک منافق جس کے دل میں آپ ﷺ کی عداوت گھر چکی تھی، اس سے نہ رہا گیا، وہ بول اٹھا کہ اس تقسیم میں، انصاف سے کام نہیں لیا گیا، (اس کی خواہش ہوگی بے کمائے سب میرے ہی حصہ میں آ جائے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر تڑپ اٹھے، انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اجازت ہو تو میں اس کو قتل کر ڈالوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کی پناہ ایسا کام نہ کرو، ورنہ لوگ چرچا کریں گے کہ میں اپنے صحابہؓ کو قتل کر ڈالتا ہوں[2]۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر مال عزی لا کر آپ کے سامنے ڈال دیا گیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک ایک شخص کا نام لے کر بلاتے گئے اور اس کو دیتے چلے گئے، اس موقع پر بھی منافقوں کی بن آئی اور ایک منافق کہنے لگا کہ اس میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا پھر تو کوئی بھی انصاف نہ کرے گا، یعنی اللہ

(۱) موضح الفرقان، ص ۲۵۸

(۲) الصارم المسلول، ص ۱۷۴

کے رسول ﷺ سے بڑھ کر اور کون منصف ہوگا، آپ ﷺ کو اس موقع سے اتنی تکلیف ہوئی کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس کو قتل کر ڈالو، مگر وہ کہیں بھاگ گیا(۱)، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہ مل سکا۔

منافقین اس طرح جھوٹ موٹ بکواس کر کے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا چاہتے تھے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا اور دوسرے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے تھے۔

نسائی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو دیا جو آپ ﷺ کے سامنے یا دائیں بائیں نظر آیا، ایک منافق شخص پیچھے کھڑا تھا، اس پر نگاہ نہ پڑی، چنانچہ وہ کھڑا ہو کر گستاخانہ انداز میں کہنے لگا: «یا محمد ما عدلت» ''اے محمد ﷺ! آپ ﷺ نے انصاف نہیں کیا'' آپ ﷺ یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور صرف یہ فرما کر رہ گئے خدا کی قسم میرے بعد مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے(۲)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے سامنے مال تقسیم فرما رہے تھے کہ کہیں سے ذوالخویصر تمیمی منافق آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ! انصاف کیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں انصاف کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، درخواست کی یارسول اللہ ﷺ! اجازت فرمائیں، میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا، جانے دو، یہ سب بھی تو تمھارے ہی ساتھ نماز پڑھتے ہیں، تمھاری ہی طرح سے روزہ رکھتے ہیں، یعنی ظاہر میں تو بہرحال مسلمان ہیں(۳)۔

منافقین کی فتنہ پردازی

منافقین کی شرارت اور دسیسہ کاری رات دن جاری رہتی، یہ آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن تھے، غزوۂ مریسیع کے موقع پر انصار ومہاجرین میں کسی

(۱) الصارم المسلول، ص۱۷۶ عن الصحیحین
(۲) الصارم المسلول، ص۱۷۷ عن الصحیحین
(۳) الصارم المسلول، ص۲۱۹

بات پر تلخی پیدا ہوگئی۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے چاہا کہ دونوں کو آپس میں بھڑا دیں۔ چنانچہ انصار کو طعنہ دینے لگا کہ تم نے خود یہ آفت مول لی ہے، نہ مہاجرین کو جگہ دیتے نہ یہ دن دیکھنے پڑتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کی اس گفتگو کو سنا تو بے تاب ہوگئے، اور خدمتِ اقدس میں درخواست کی کہ اشارہ ہو تو اس منافق کی گردن اڑا ڈالوں، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر روک دیا کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ لوگ کہتے پھریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے رہتے ہیں۔

منافقین کی سازش

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ شام و روم والے مل کر حملہ آور ہونے والے ہیں اور موسم سخت گرم اور قحط کا سال ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظام شروع کیا۔ منافقین یہاں بھی چین سے نہ بیٹھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں جھوٹا پروپیگنڈا شروع کردیا اور سارے منافقین اس جنگ میں مسلمانوں کو ناکامیاب کرنے کے لیے مدینہ سے کچھ دور سویلم یہودی کے مکان میں جمع ہوئے اور اس امر پر غور کرنے لگے کہ ایسی کون سی تدبیریں اختیار کی جائیں جن سے مسلمانوں میں بد دِلی پیدا ہوجائے اور وہ اس مہم میں شریک نہ ہوسکیں، منافقین یہ کر ہی رہے تھے کہ اس سازش کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ انھوں نے جا کر یہودی کے مکان کو محاصرے میں لے لیا، اور مکان میں آگ دی، مخالفین مقابلہ میں آئے مگر ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا[1]۔

عبداللہ بن اُبی کی شرارت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک جلسہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے، اس جلسے میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین بھی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو دیکھ کر منافق نے اپنی ناک پر چادر ڈال لی، اور گستاخی و شرارت سے کہنے لگا ''گرد نہ اڑاؤ'' جب

(۱) مہاجرین، ص ۹۸، ج ۱ بحوالہ سیرت ابن ہشام، ص ۲۱، ج ۲

آپ ﷺ اور قریب ہوئے تو بول اٹھا محمد ﷺ! تمھارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ خراب کر ڈالا...... مگر بایں ہمہ آپ ﷺ وہاں اتر گئے اور اپنا کام شروع کر دیا۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، اور حاضرین کو حق کی طرف بلایا، عبداللہ بن ابی منافق کیسے چپ رہتا، کہنے لگا محمد ﷺ! ہمیں گھر آ کر ستانے کی کوشش نہ کرو، جو تمھارے یہاں جائے اس کو تم البتہ تعلیم دو(۱)۔

منافق عورتوں کی فتنہ انگیزی

منافقین مرد تو رات دن اذیت رسول ﷺ کے پیچھے پڑے ہی ہوئے تھے، مگر حیرت ہوتی ہے کہ منافق عورتیں بھی خاموش نہ تھیں بلکہ یہ بھی دن رات فتنہ وفساد کے بیج بوتی رہتیں۔ اور اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف زہر پھیلاتی رہتی تھیں، ان کی جرأت اور شرارت کی انتہا ملاحظہ کیجیے کہ ان منافق عورتوں نے سازش کی کہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں پھوٹ ڈالیں، اور خود آپ ﷺ کے گھر کو فتنہ وفساد کا مرکز ثابت کریں، چنانچہ وہ جا کر آپ ﷺ کی بیویوں میں اشتعال پیدا کرنے کی سعی کرتیں(۲)۔

منافقین کی حیرت انگیز جرأت

منافقین نے ایک مرتبہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے ایک مسجد کی اسکیم تیار کی، اس سلسلے میں ابوعامر نامی عیسائی منافقین کی پیشوائی کا فریضہ ادا کر رہا تھا، یہ ''دشمنِ اسلام'' باہر سے فوج لا کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی فکر میں تھا، اسکیم کے مطابق منافقین نے ''مسجد ضرار'' کی بنیاد رکھی، یہ مسجد جب بن کر تیار ہوگئی تو وہ منافقین مخلص مسلمانوں کا روپ دھار کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، اور درخواست کی کہ ہماری مسجد میں نماز پڑھ دیجیے، گویا اس کا افتتاح فرما دیجیے، اور عذر یہ بیان کیا کہ معذوروں اور بیماروں کو دور جانے میں جو تکلیف ہوتی ہے یہ مسجد اس کا علاج ہے، پہلی دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان منافقین کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابھی مہم درپیش ہے، کسی دوسرے موقع پر دیکھا

(۱) سیرۃ النبی، ص ۲۸۶، ج ۲ (۲) سیرۃ النبی، ص ۵۰۶، ج ۱

جائے گا، آپ ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے تو وحی کے ذریعے یہ راز آپ ﷺ پر آشکارا کر دیا گیا، قرآن پاک میں اب تک اس کا تذکرہ موجود ہے، بہرحال آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلا کر فرمایا کہ ''مسجد ضرار'' جو ''دشمنانِ اسلام'' نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی ہے، اسے جا کر جلا ڈالو، جس پر فوراً عمل کیا گیا، اور اس طرح ایک بڑے فتنہ کا خدا نے دروازہ بند کیا(۱)۔

ایک منافق کا ناجائز اتہام

صحیحین میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے ایک دفعہ سونے کا ایک ٹکڑا خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو لے کر لوگوں میں تقسیم فرما دیا، ایک منافق نے اس موقع پر آپ ﷺ پر جھوٹ موٹ یہ الزام لگایا کہ آپ ﷺ نے تقسیم میں انصاف نہیں برتا(۲)۔

منافقین کا طعنہ

غزوۂ خندق کے موقع پر جب آپ ﷺ نے بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ فلاں فلاں خطے کو ہمارے زیر فرمان کرے گا (جو آگے چل کر ہوا بھی) لیکن اس وقت جب دشمنوں نے مدینہ منورہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں محاصرہ کے اندر تھے، یہ بد باطن منافقین طعنے دیتے پھرتے تھے کہ محمد ﷺ کو دیکھتے نہیں (خندق کھودنے کے وقت) انھوں نے کہا تھا حمیر، مدائن اور کسریٰ کے محل نظر آرہے ہیں، یہ سب ہم کو عطا کیے جائیں گے، اور یہاں حال یہ ہے کہ قضائے حاجت کو کوئی نہیں نکل سکتا(۳) سمجھتے نہیں اللہ اور رسول ﷺ نے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ سب فریب تھا(۴)۔

---

(۱) دیکھیے نظام مساجد، ''مسجد ضرار''

(۲) الصارم المسلول، ص ۱۷۷

(۳) سورہ احزاب ا، تفسیر خازن، ص ۴۵۴، ج ۳

(۴) تفسیر خازن، ص ۴۵۴، ج ۳

طوفان بدتمیزی

حضرت زینب بنت جحشؓ کی شادی پہلے حضرت زیدؓ سے ہوئی مگر جب دونوں میں زن وشوہر کے تعلقات کسی طرح نبھنے کی صورت باقی نہ رہی، تو شرعی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔

حضرت زینبؓ جب اس طرح بیوہ بن گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی، یہ ایک واقعہ تھا جس میں کوئی شرعی برائی نہ تھی، مگر منافقین جو موقع کی تاک میں رہتے تھے ان کو ایک بات ہاتھ آ گئی، بس پھر کیا تھا اس میں رنگ بھر کر یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ دیکھو محمد ﷺ ایک طرف بہو سے نکاح کرنا حرام بتاتے ہیں اور دوسری طرف خود انھوں نے اپنے منہ بولے بیٹے زیدؓ کی مطلقہ سے شادی کر لی۔

یہ اس قدر مکروہ اور تکلیف دہ پروپیگنڈا تھا کہ قرآن پاک نے اس واقعہ کو نقل کر کے اس کی تردید کی، کہ محمد ﷺ کسی کے باپ نہیں [1] (یعنی زید کے باپ نہیں ہیں) کسی کو کوئی پیار سے بیٹا کہہ دے تو وہ درحقیقت بیٹا نہیں ہو جاتا۔

تحویل قبلہ پر چہ میگوئیاں

رحمت عالم ﷺ مکہ سے جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اس کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آ گیا تو منافقین، یہود اور مشرکین نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا یہ تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جو انبیائے سابقین کا قبلہ تھا، اب نہ معلوم ان کو کیا ہو گیا کہ قبلہ بدل دیا، کسی نے کہا یہود کی مخالفت میں ایسا کیا، کسی نے کہا ان کو اپنے دین ہی میں تردد وتحیر ہے، کسی نے کچھ اور کہا، اور پھر یہ سارے اعتراضات کرنے کے بعد کہتے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں، ورنہ ایسی بات کیوں کرتے، قرآن نے جواب دیا:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

(البقرۃ۲:۱۴۲)

---

(۱) بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب

ایک دفعہ ایک دیہاتی منافق سرور کائنات ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس کے مناسب حال اس کو عطا فرمایا، مگر پھر بھی اس کا پیٹ نہ بھرا، چنانچہ وہ گستاخی سے کہنے لگا، آپ ﷺ نے اچھا انصاف نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب اس کی یہ بات سنی تو بہت خفا ہوئے، اور چاہا کہ اس کو مار ڈالیں(۱)۔

اُسوہ حسنہ

منافقین کی شرارتوں کے واقعات اَن گنت ہیں، ناظرین سے جو کچھ عرض کیا گیا، انھی کو آپ پڑھیں اور بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ ان دشمنانِ دین نے رسولِ اکرم ﷺ کو کس کس طرح ستایا، اور کیسی کیسی اذیت پہنچائی، مگر سیرت کی کتابوں میں ڈھونڈیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان بیہودگیوں کی وجہ سے تبلیغ دین میں کوئی کمزوری بھی ظاہر ہونے دی؟ کوئی واقعہ اس طرح کا نہیں مل سکتا کہ آپ ﷺ نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی لمحہ ذرہ برابر افسردگی کا اظہار کیا ہو۔

مسلمانوں کے لیے سیرت نبوی ﷺ کے اس حصے میں بھی ایک عبرت آموز سبق ہے، کاش وہ ان کو سمجھیں، اور اپنا فریضہ ادا کرنے کی انتھک سعی کریں۔

(۱) الصارم المسلول، ص۱۷٤

اہل بیتِ رسول ﷺ پر کیے گئے مظالم اور اذیتِ رسول ؐ کی ناپاک سعی

اشاعت دین اور تبلیغ حق میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے کفار ومنافقین نے ہزاروں جتن کیے، اور آنحضرت ﷺ کے حوصلے کو پست کرنے کی سیکڑوں تدبیریں کیں، ایسی ایسی ناپاک حرکتوں کا دشمنانِ رسول کی طرف سے ارتکاب ہوا، کہ معلوم ہو کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ان منکروں نے ظلم کی انتہا کر دی کہ آپ ﷺ کے گھر والوں کو بھی معاف نہ کیا۔ جب موقع آیا، جگر گوشۂ رسول ﷺ کو بھی ستایا اور ہر طرح ان کو بے آبرو کرنے کی کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جب کافروں کی طرف سے ظلم کی فراوانی بڑھتی گئی اور اس حد تک پہنچ گئی کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کا ذرہ ذرہ دشمن بن گیا، وہاں کا رہنا سہنا بلاکشانِ اسلام کے لیے دوبھر ہو گیا اور دینی احکام وفرائض کی بجا آوری میں دست درازیاں ہونے لگیں تو رحمت عالم ﷺ ایک جماعت کو ہجرت حبشہ کی اجازت دینے پر مجبور ہوئے۔

جگر گوشۂ رسول ﷺ ہجرت حبشہ پر مجبور

مہاجرین کی اس پہلی جماعت میں آنحضرت ﷺ کے لاڈلے داماد حضرت عثمان بن

عفانؓ اور آپ ﷺ کی جگر گوشۂ رقیہؓ بھی شریک تھیں، آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے صحابۂ کرامؓ کی اس مقدس جماعت میں یہ دونوں بھی وطن کی سرزمین کو سلام رخصت کہنے پر مجبور ہوئے۔ سید الکونین ﷺ کی زندگی میں اور آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی بیٹی اور داماد کی ہجرت کا دل گداز نقشہ کیسا ہوش ربا ہے اللہ اللہ...... اللہ کے دین کی اشاعت کی خاطر یہ سارا مرحلہ پیش آرہا ہے، مگر خدا کا آخری رسول ﷺ اسلام کی خاطر ان سارے زہرہ گداز حالات کو بخوشی برداشت کرتا ہے، اور اپنی امت کے لیے اپنا یہ اسوۂ حسنہ چھوڑ جاتا ہے۔

بنت الرسول ﷺ کی رخصتی میں مزاحمت

غزوۂ بدر کے بعد ابوالعاص جو اَب تک کافر تھے رہا کیے گئے، انھوں نے وعدہ کیا کہ حضرت زینبؓ بنت الرسول ﷺ کی رخصتی کر دی جائے گی جو ان کی بیوی تھیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو چند صحابیوں کے ساتھ بھیجا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو رخصتی کرا کر لے آئیں، چنانچہ حسب الحکم حضرت زیدؓ ساتھیوں کے ساتھ مکہ پہنچے اور حضرت زینبؓ کو رخصت کرا کر روانہ ہوئے، کافروں کو معلوم ہوا تو آ کر مزاحم ہوئے، اور کہنے لگے، ہم لوگ نہیں جانے دیں گے خود حضرت زینبؓ کو ان ظالموں نے دھمکی دی، اور روکا کہ وہ مدینہ نہ جائیں۔ حضرت ابوالعاص کے بھائی کنانہ سے اپنی یہ بے عزتی نہ دیکھی گئی، تیر نکال کر کھڑے ہوگئے کہ جو راستہ روکے گا اس کو تیر کا نشانہ بنا ڈالوں گا، اس سلسلے میں بہت شور وغل بڑھا، ادھر سے ابوسفیان دوڑے ہوئے آئے، جو اَب تک کافر تھے، اور کنانہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے، کنانہ تم پر حیرت ہے محمد ﷺ کی وجہ سے ہم لوگوں کو جو ذلتیں اٹھانی پڑیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اور تم ان کی بیٹی کو اس طرح علی الاعلان یہاں سے رخصت کر رہے ہو، ان کو رخصت ہی کرنا ہے تو چھپا کر کرو تا کہ ہماری سبکی نہ ہو، ابوسفیان کی اس دخل اندازی سے اس وقت حضرت زینبؓ کی رخصتی ملتوی ہوگئی(۱)۔

---

(۱) سیرۃ الصحابہ، ج۸، ص ۳۱۵

بنت الرسول ﷺ کو طلاق دلوانے کی سعی

کفار مکہ کی ایک بیہودگی اس سلسلے میں اور ملاحظہ فرمائیں، یہ سب ابوالعاص کی خدمت میں پہنچے اور ان کو سمجھانا شروع کیا کہ تم حضرت زینبؓ بنت الرسولؐ کو چھوڑ دو، بلکہ اس پر بڑا زور ڈالا، اور ابوالعاص پر دباؤ، کہ ایسا ضرور کرو، پھر تم مکہ کی جس عورت کو پسند کرو گے اس سے تمھاری شادی کرا دی جائے گی، اور ابوالعاص گو اس وقت کافر تھے، مگر انھوں نے کفار مکہ کا اس معاملے میں ساتھ نہ دیا اور صاف انکار کر دیا، کہ ایسا نہیں ہوسکتا، یہ کیوں کر ممکن ہے، کہ ہم (زینب) اپنی بیوی کو تم لوگوں کے کہنے کی وجہ سے طلاق دے دیں، ایسی پاکباز اور فرمان بردار عورت مجھے یقین ہے پھر کبھی نہیں مل سکتی(۱)۔

بنت الرسول ﷺ کو زخم

اس سلسلے کا ایک اندوہناک واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ مکہ سے مدینہ جس وقت ہجرت کر رہی تھیں، حاملہ تھیں، کفار نے مزاحمت کی، اور ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر حضرت زینبؓ کو اونٹ سے گرا دیا، جس سے حمل ساقط ہوگیا، اور بالآخر چند مہینے بیمار رہ کر اسی مرض میں انھوں نے وفات پائی(۲)۔

ناموسِ رسول ﷺ پر حملہ

رحمت عالم ﷺ کو اذیت پہنچانے کی ظالموں نے انتہا کر دی، کہ آپ ﷺ کی عزت و آبرو کو بھی نہیں بخشا، منافقین جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے سب سے بڑے دشمن تھے، انھوں نے ایک طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر کے تبلیغِ حق میں رکاوٹ ڈالنے کی انتہائی سعی یہ کی کہ آپ پر غم واندوہ کا پہاڑ توڑ ڈالا، واقعہ یہ پیش آیا کہ ۶ھ میں غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر آپ ﷺ سفر میں تشریف لے گئے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں شریک تھیں، ایک منزل پر جب آپ ﷺ رکے، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کو گئیں، اتفاق سے ان کا گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا،

---

(۱) سیرۃ الصحابہ، ج ۸، ص ۳۱۵

(۲) سیرۃ النبی، ص ۲۹۰، ج ۲، ہبار بعد میں مسلمان ہوگئے تھے ۱۲ منہ

اس کی تلاش میں ان کو دیر ہوگئی، ادھر روانگی کا وقت آ گیا، حمال نے ان کا ہودہ جو ایک علیحدہ اونٹ پر رہتا تھا، یہ سمجھ کر کہ وہ ہودہ میں پردے کے اندر بیٹھ گئی ہیں، اٹھا کر اونٹ پر ڈال دیا، حضرت عائشہؓ جسم کی ہلکی پھلکی تھیں، دوسرے ذہن دوسری طرف سفر کے سامان میں منتشر تھا، پتہ نہ چلا کہ وہ ہودہ کے اندر نہیں ہیں، اور اس طرح قافلہ روانہ ہوگیا، ادھر سے حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ کوچ کر چکا ہے، مجبور ہو کر وہیں بیٹھ گئیں اور سوچا تنہا کیا کروں، راستے کا نگران پیچھے سے دیکھتا ہوا یہاں پہنچے گا، کیونکہ اس کی ڈیوٹی ہی یہی ہے کہ گری پڑی چیز کی پیچھے دیکھ بھال کرتا چلے، پھر یہ بھی خیال آیا کہ جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوگا کہ میں چھوٹ گئی ہوں تو آپ ﷺ کسی کو میری تلاش میں بھیجیں گے، رات کا وقت تھا ان ہی خیالوں میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں کہ نیند کا غلبہ ہوا اور آپ ﷺ وہیں سو گئیں، ادھر سے حضرت صفوان بن معطلؓ گری پڑی اور چھوٹی ہوئی چیزوں کی دیکھ بھال کرتے یہاں تک پہنچے، تو ایک سوتے ہوئے آدمی پر ان کی نگاہ پڑی، نزدیک جا کر دیکھا تو حضرت صدیقہؓ تھیں، یہ دیکھ کر ان کے منہ سے «اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ» نکل گیا حضرت عائشہؓ چونک کر بیٹھ گئیں، اور پردہ کر لیا، نزول پردہ سے پہلے حضرت صفوانؓ نے آپ کو دیکھا تھا، اس لیے پہچاننے میں زحمت نہ ہوئی، انھوں نے ان کے پاس اونٹ لے جا کر بٹھا دیا، حضرت عائشہؓ پردہ کر کے بیٹھ گئیں، انھوں نے نکیل تھامی اور دوپہر کے وقت لا کر قافلہ سے ملا دیا۔

بس یہ ایک واقعہ کیا ہوا کہ منافقین کو پروپیگنڈے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے اس کو ایک طوفان بنا کر کھڑا کر دیا، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اس کی پیشوائی کر رہا تھا، اس کو اس قدر نمک مرچ لگا کر مشہور کیا گیا کہ کچھ سیدھے سادے مسلمان بھی متزلزل ہو گئے اور اس بے سرو پا طوفان کا تذکرہ کرنے لگے، اس افسوسناک طوفان کی خبر جب رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہوئی، تو فرطِ غم سے نڈھال ہو گئے، ایک مہینہ یہی چرچا منافقین کرتے رہے، آنحضرت ﷺ وحی کے انتظار میں خاموش تھے، ایک ماہ بعد شدہ شدہ یہ اطلاع حضرت عائشہؓ کو بھی ہوگئی، اس خبر کا سننا تھا کہ حضرت عائشہؓ شدتِ غم سے بیمار پڑ گئیں، ان کا سارا وقت رات دن رونے اور آہ وزاری میں کٹتا، ایک لمحہ

آنکھوں میں آنسو نہ تھمتے تھے، ان کی حالت نہایت نازک ہوگئی، بالآخر رب العزت کو حضرت عائشہؓ پر ترس آیا اور سورۂ نور میں ان کی برأت کی آیتیں اتریں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ ...... الخ﴾(النور ٢٤:١١)

کئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹے پروپیگنڈے کا جھوٹا ہونا بتایا، اور حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی اور عفت وعصمت کا اعلان کیا۔ اب جا کر غبار دور ہوا، منافقین کا منہ کالا ہوا، اور مخلص مسلمانوں، اور آنحضرت ﷺ کا غم ہلکا ہوا، اور حضرت عائشہؓ نے تو گویا دوبارہ زندگی پائی(۱)۔

اُسوہ حسنہ

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ لگایا جائے کہ دشمنانِ اسلام نے کس کس طرح رحمتِ عالم ﷺ کو اذیت دی اور کیسی تکلیف پہنچائی، کوئی شریف انسان اور منصف مزاج آدمی ان واقعات کو پڑھ کر غم ورنج کے اتھاہ سمندر میں ڈوبے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آدمی اس طرح کے دل دوز واقعات کہاں تک لکھے، قلم تھرا جاتا ہے، دل بھرآتا ہے، اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں مگر کیا کیا جائے مسلمانوں کو بتانا ہے کہ غور کرو ''اسلام'' کو پیغمبر اسلام ﷺ نے کتنی اذیتوں سے دو چار ہوکر پھیلایا اور کس طرح بھٹکی ہوئی دنیا کو راہِ راست دکھایا، آج تم اسی ''اسلام'' کو رسوا کر رہے ہو، اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی روح پاک کو دکھ پہنچا رہے ہو۔ آخری نبی ﷺ کی امت ہونے کے لحاظ سے تمھاری گردن پر بڑا بوجھ ہے، قیامت تک اس سچے ''دین اسلام'' کے امین تم ہی ہو۔

آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں کو طلاق

اس سلسلے کا ایک غم انگیز واقعہ اور سن لیا جائے، حضرت ام کلثومؓ بنت الرسول ﷺ کی پہلی شادی عتیبہ، اور حضرت رقیہؓ (بنت الرسولؐ) کی شادی عتبہ سے تھی، یہ عتیبہ اور عتبہ دونوں ابولہب (دشمن رسولؐ) کے بیٹے تھے، ابھی آنحضرت ﷺ کی ان صاحبزادیوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ آپ نبی کی حیثیت سے حق کا پیغام پیش کرنے لگے۔

---

(۱) دیکھیے تفسیر سورۂ نور و دیگر کتب حدیث

ابولہب کو آپ ﷺ سے جیسی عداوت تھی، آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ اسی عداوت وعناد کی بنیاد پر ابولہب اور ابولہب کی بیوی دونوں نے اپنے دونوں بیٹوں سے مطالبہ کیا کہ تم دونوں محمدؐ کی بیٹیوں کو طلاق دے دو، اور جب تک تم طلاق نہ دو گے ہمارے تعلقات تمھارے ساتھ حرام ہیں، چنانچہ ابولہب کے دونوں بیٹوں نے آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔

عتیبہ نے یہ گستاخی بھی کی کہ خدمت نبوی ﷺ میں آیا اور آپ ﷺ سے منہ درمنہ کہنے لگا، میں نے تمھارے دین کا انکار کر دیا اور تمھاری بیٹی کو طلاق دے دی۔ پھر آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑا، اور الجھ گیا، اور آپ ﷺ کی قمیص پھاڑ ڈالی۔

آنحضرت ﷺ کو اس کی اس بے ادبی اور شوخی پر دلی صدمہ ہوا، اور آپ ﷺ نے بددعا دی، جو اس پر پڑ کر رہی، اور اس کے نتیجہ میں عتیبہ بری طرح مارا گیا[1]۔

اُسوہ حسنہ

اس طرح کے غم انگیز واقعات کا کون استقصا کرے، مگر سوچنے کی بات ہے کہ قریبی رشتہ داروں نے بھی ستانے میں کون سی کسر اٹھا نہ رکھی، ابولہب اور اس کے بیٹوں نے یہ سلوک کر کے جو زخم پہنچایا اس کی اذیت وتکلیف دہی کے متعلق کیا کہا جائے، اللہ کے لاڈلے رسولؐ نے اسی مالکِ حقیقی کا اشارہ پا کر یہ سب کچھ برداشت کیا، اور اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی میں بجان ودل مشغول رہے۔

فدایانِ رسولؐ کے لیے ان جگر دوز اور زہرہ گداز حقائق میں جو سبق ہے، کاش یہ قبول کریں اور سمجھیں، اسلام کی عزت تمام سے بڑھ کر ہے، اور جس اسلام کو ان جگر خراش صعوبتوں سے دو چار ہو کر پیغمبرِ اسلامؐ نے پھیلایا ہے اس کی ہم پر بڑی ذمہ داری ہے۔

(۱) جمع الفوائد، ص ۲۵، ج ۲

تبلیغ دین میں رکاوٹیں اور اذیتِ رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ کی تبلیغ جب کسی طرح نہ رکی، اور آپ ﷺ برابر اشاعت دین کے کام میں مشغول ہی نظر آئے، تو کفار کے دل پر سانپ لوٹنے لگا، آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ ان غریبوں پر بھی مشقِ ستم جاری رکھی، جنھوں نے آپ ﷺ پر ایمان لانے کا اعلان کیا، اور بت پرستی سے توبہ کرکے حق پرستوں میں داخل ہوئے۔

اس معاملے میں کافروں کی سنگدلی دیکھ کر انسانیت ماتم کرنے لگتی ہے اور تہذیب وشرافت اپنا سر پیٹ لیتی ہے، غور فرمایا جائے، عرب کی تپتی ہوئی دھوپ اور جلتے ہوئے بالو کا کیا عالم ہوتا ہے، ہندوستان کے رہنے والے میرا خیال ہے کہ وہاں کی دوپہر کی گرمی کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگا سکتے، دوپہر کی اسی دھوپ میں پیروئے محمد ﷺ کو جلتے ریگ پر ڈال دیا جاتا، اور کس طرح؟ اللہ اللہ لکھتے ہوئے بھی قلم کا جگر شق ہونے لگتا ہے۔ جسم کے کپڑے اتار دیے جاتے، بالو پر لٹا دیا جاتا، پھر اوپر سے وہی جلتا بالو ڈال دیا جاتا، شقی القلب کفار، سینے پر بھاری بھاری پتھر، جو دھوپ کی تپش میں جلتا بھنتا ہوتا رکھ دیتے، ان کو پیٹتے بھی جاتے، گالیاں بھی سناتے جاتے، اور یہ بھی مطالبے کرتے جاتے کہ آنحضرت ﷺ کی فرمانبرداری سے توبہ کرو، کبھی لوہے کی سلاخوں کو آگ میں سرخ کرکے ان بلاکشانِ اسلام کو داغتے، کبھی ان کو پانی میں ڈبکیاں دیتے۔

ظلم وجور کا مقصد

بظاہر یہ سزائیں صحابہ کرامؓ کو دی جاتیں، مگر دراصل اس ساری کد وکاوش کا منشاء یہ تھا، سرورِ کونین ﷺ کا جگر چھلنی کیا جائے، آپ ﷺ کے قلبِ مبارک کو لہولہان بنایا جائے، اور آپ ﷺ کے حوصلہ وولولہ پر پانی پھیرا جائے، تبلیغِ دین کو بند کیا جائے، اور اسلام کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«مَن أحبهم فَبِحُبِّيْ أحبهم ومن أبغضهم فَبِبُغْضِي أبغضهم»(حدیث)

''جو ان (صحابہ کرام) سے محبت رکھتا، پس وہ میری محبت کے لحاظ سے محبت کرتا ہے، اور جو ان (صحابہ کرام) سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ میری عداوت کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض وعداوت کا برتاؤ کرتا ہے۔''

ایمان لانے والوں کے ساتھ ظلم کا برتاؤ

ان بلاکشانِ اسلام میں بلال حبشیؓ کا نام بار بار سنا ہوگا۔ یہ آپ ﷺ کے خادم جاں نثار، پیارے موذن اور خیر خواہ منتظم تھے، بلالؓ کے گلے میں پھندا پڑا ہوتا، غنڈے گھسیٹتے ہوتے، بدمعاش چھیڑتے جاتے، بدن لہولہان ہوتا، جسم زخموں سے چھلنی ہوتا، مگر قلب اسلام کی دولت سے معمور ہوتا، دل محبتِ رسول ﷺ سے سرشار ہوتا، اور زبان پر اَحد اَحد کی پکار ہوتی۔

عمار بن یاسر آنحضرت ﷺ کے لاڈلے صحابی تھے، کفارِ مکہ نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، جلتی ریگ پر لٹایا، زدوکوب کیا، اور اس قدر مارا پیٹا کہ بے ہوش ہوگئے، حضرت عمارؓ کے پدر بزرگوار حضرت یاسرؓ نے کفار کی شقاوت ہی پر جان دی، ان کی ماں حضرت سمیہؓ کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں کافروں نے جس بے دردی اور حیا سوز حرکت سے مارا کہ سن کر آدمی کا رونگٹا کھڑا ہوجائے، اور شریف انسان کے بدن پر تھرتھری اور غصے کی ملی جلی کیفیت طاری ہوجائے۔

صہیب رومیؓ جو سابقین اولین میں ہیں اور جو حضرت عمارؓ کے ساتھ ہی دربارِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تھے، ان کو مکہ کے ظالموں نے جس

طرح ستایا، جیسی مصیبتیں پہنچائیں کہ سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، ہجرت کے لیے آمادہ ہوئے تو کافروں نے راستہ روک لیا، اور کہنے لگے مال ومتاع یہاں ہی چھوڑ جاؤ، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

صحابہ کرامؓ کی استقامت

مگر قربان جایے ان فدایانِ محمد ﷺ پر، جن کا گھر لٹ گیا، جن کے بچے قتل ہوئے جن کو شہید کیا گیا اور جن کو ہر طرح ستایا گیا، مگر ان کی زبان پر شکوے یا گلے کا کوئی کلمہ نہ آیا، اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکلی، جو ان کی کمزوری اور دُون ہمتی کی چغلی کرتی ہو۔

مظالم ومصائب کی یہ دل گداز داستان انھی چند نفوس قدسیہ پر ختم نہ ہوئی بلکہ مکی زندگی میں جو بھی ایمان لایا گرفتارِ بلا ہوا، صنف نازک تک کو ان ظالموں نے نہیں بخشا۔ اللہ کی لاکھوں رحمتیں ہوں اس یار غار پر جس کا نام نامی ابوبکر صدیقؓ ہے کہ اس نے بھاری بھاری رقم دے کر ان کمزوروں کو آزاد کر دیا۔

ان کمزوروں کے ساتھ ساتھ جن کو غلام اور لونڈی کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں، اس وقت کے با اثر، مکہ کے باوقار افراد ایمان لائے تو وہ بھی کافروں کی زیادتی سے محفوظ نہ رہ سکے، حضرت عثمان غنیؓ، ابوذرؓ، زبیر بن العوامؓ، ابوبکر صدیقؓ، سعید بن زیدؓ اور عمر فاروقؓ ان معزز حضرات پر بھی قریش نے ظلم وستم کیے، اپنی سفاکیوں کا ان کو بھی نشانہ بنایا، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ پہاڑ بن کر "دین اسلام" پر یہ سارے حضرات جم گئے، ان میں کسی پہلو سے ذرہ برابر جنبش نہ ہوئی۔

اُسوہ حسنہ

مسلمانوں کے لیے ان واقعات میں انمول سبق ہے، کاش وہ عبرت وبصیرت کی نگاہ سے پڑھیں اور سبق حاصل کریں۔ مصائب اور ظلم وستم کی فراوانی سے ہمت پست نہیں ہوتی، بڑھتی ہے، مسلم انسان دبتا نہیں ابھرتا ہے، مٹتا نہیں پھیلتا ہے، رکتا نہیں بڑھتا ہے ان میں اضمحلال اور خوف وہراس نہیں پیدا ہوتا، بلکہ کیف ومستی اور سرور وانبساط آتا ہے، شیدایانِ اسلام غیظ وقہرِ کافری سے گھبراتے نہیں، سینہ تان کر مقابلہ کرتے ہیں۔

ہجرت حبشہ

آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثاروں پر مشق جور وستم جب بڑھتی ہی گئی، اور ظلم اس حد تک پہنچ گیا کہ خدا کی عبادت میں رخنہ اندازی شروع ہوگئی تو ان بلاکشانِ اسلام کی ایک مختصر جماعت نے ہجرت کا عزم کیا۔

وطن کی محبت کس دل میں نہیں رچی ہوتی، کون ایسا انسان ہے جو وطن کی جدائی پر آبدیدہ نہ ہو، مگر زندگی میں جب کیف وسرور باقی نہیں رہتا، عزت وآبرو ملیامیٹ ہونے لگتی ہے، سکون واطمینان ظالم چھین لیتے ہیں اور فرائض کی بجا آوری سے انسان روک دیا جاتا ہے تو ایسی حالت میں انسان وطن کی سرزمین کو خیرباد کہنے کے لیے تیار ہوتا ہے، وہ ایک ایسے ملک کی سکونت کو ترجیح دیتا ہے، جو اجنبی ہوتا ہے جہاں کی ہر چیز اجنبی ہوتی ہے، جہاں کے در ودیوار بیگانہ ہوتے ہیں اور جہاں کا ذرہ ذرہ غیر ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، سرکار کائنات ﷺ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، اور بالآخر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت مکہ سے بہت دور حبشہ کا ارادہ کرنے پر مجبور ہوئی، محبت بھری زمین کو سلام رخصت کہا، اور ہجرت کے ارادہ سے خدا کے بھروسے پر چل پڑی۔

مگر آہ ظلم وجور کی انتہا ہوگئی، کہ بقول قریش چند دیوانے جب حالات سے مجبور ہوکر وطن سے روانہ ہوچکے تو بھی ان ظالموں کی تسکین نہ ہوئی بلکہ ان کی گرفتاری کی دھن سوار ہوگئی، اور ان کے پیچھے پڑ گئے، ان پرستارانِ خدا کو ستانے کے لیے جھوٹ کا پوٹ تیار کیا اور ان کو پکڑ لانے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کردی، یہ تو رب العالمین کا فضل وکرم ہوا کہ یہ فدایانِ محمد ﷺ اُن سے بچ نکلے، اور کفار کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔

کفار مکہ کی دوڑ دھوپ

مگر کفار مکہ چین سے بیٹھنے والے کب تھے، باہم مشورہ کیا، ایک اہم وفد ترتیب دیا اور عمرو بن العاص کی قیادت میں اسے حبشہ روانہ کردیا، تحفہ تحائف بھی کافی ساتھ کردیا گیا، تاکہ بادشاہ کے حاشیہ نشینوں کو اپنا بنایا جاسکے اور ان کی مدد سے مسلمانوں پر جور وظلم کی جو تجویز سوچی جاچکی تھی، اس پر عمل کی صورت نکل سکے۔

کفار مکہ کا یہ عظیم الشان وفد حبشہ پہنچا، سازش شروع کر دی گئی، درباری قسم کے لوگوں کو پھنسانے کی سعی ہونے لگی، چنانچہ ان لوگوں کی خدمت میں نذرانے پیش کیے گئے، اور الٹی سیدھی کہانی سنا کر انھیں اپنا ہمدرد بنایا گیا، جب یہ سارا مرحلہ طے ہوگیا تو قریش کا یہ وفد شاہی دربار میں حاضر ہوا، اور اپنی وہ رام کہانی جو گھڑ کر لے گیا تھا کہہ سنائی، حاشیہ نشینوں نے حامی بھی بھری مگر جس پر احکم الحاکمین کا کرم ہو، اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ بادشاہ نے جب ان کی ساری روداد سن لی، تو مہاجرین کے بیان سننے کی خواہش ظاہر کی، تاکہ معاملہ کھل کر سامنے آجائے۔

شاہی حکم کے بموجب مہاجرین حاضر دربار کیے گئے۔ حضرت جعفرؓ نے جو اس مقدس جماعت کی قیادت فرما رہے تھے ایک برجستہ بیان دیا جس میں آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اہل مکہ کی گمراہی کو تفصیل سے بیان کیا پھر آپ ﷺ کی نبوت سے جو فائدے پہنچے ان کی نشان دہی فرمائی۔ نجاشی، شاہ حبش پر اس بیان کا گہرا اثر پڑا، تعلیمات نبوی ﷺ کا خلاصہ سن کر متاثر ہوا اور فیصلہ مہاجرین کے حق میں دیا، اور اس طرح اہلِ مکہ کا یہ وفد ناکام رہا۔

وفد قریش کی ناکامی اور اہل مکہ میں اشتعال

لیکن یہ دشمنانِ اسلام اپنی شیطانی تدبیروں سے کب چوک سکتے تھے، ایک اور ناپاک تدبیر سوچی، اور نجاشی شاہ حبش کے سامنے عقائد کا مسئلہ چھیڑ دیا، اور بتایا کہ یہ مہاجرین عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بادشاہ سلامت جیسا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں، بادشاہ نے یہ سن کر پھر مہاجرین کو دربار میں طلب کیا، مسلمانوں کی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو صحیح اسلامی عقیدہ تھا پیش کیا گیا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں قرآن پاک کی چند آیتیں بھی پڑھ کر سنائیں، شاہ حبش نے ان کی زبان سے اسلامی عقیدہ اور قرآن پاک کی مقدس آیتیں سنیں، تو اور بھی متاثر ہوا، اور بالآخر کفار مکہ کے معزز وفد کو بے نیل مرام واپس آنا پڑا[1]۔

(۱) دیکھیے جمع الفوائد، باب الهجره الى الحبشه

یہ وفد جب ناکام واپس آیا، تو پورا مکہ غیظ وغضب میں بھوت بن گیا، ایک طرف ناکامی کا رنج وغم، دوسری طرف مسلمانوں کی کامیابی پر شرم ساری، اس کا انجام یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں اور بھی شدت پیدا ہوگئی، اور مسلمانوں کے خلاف اور بھی جذبات برانگیختہ ہوگئے۔

مبلغ اسلام کو زدوکوب

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو عرب کے ایک قبیلے میں تبلیغ کے لیے بھیجا تو قبیلے والوں نے ان کو پیٹا اور بری طرح گالی گلوچ کیا، بے چارے نے واپس آکر آپ ﷺ کو ان واقعات کی خبر دی(۱)۔

مبلغینِ اسلام کا قتل

اس سلسلے میں بئر معونہ کا واقعہ آنحضرت ﷺ پر بہت سخت گزرا، واقعہ یہ پیش آیا کہ ابو براء کلابی جو قبیلہ کلاب کا سردار تھا، دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور چند مبلغین اسلام کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں اس نے درخواست پیش کی، تاکہ یہ وہاں جاکر تبلیغ دین کا کام انجام دیں، آپ ﷺ نے پہلے فرمایا مجھے نجد کی طرف سے خطرہ ہے، مگر اس سردار نے ضمانت دی، کہ کوئی ایسی بات پیش نہیں آئے گی، آنحضرت ﷺ نے اس کے تقاضے سے مجبور ہوکر ستر صحابہ کرام کو ابو براء کلابی کے ساتھ کر دیا، جو نہایت مقدس اور درویش صفت بزرگ تھے، ان میں سے اکثر اصحابِ صفہ میں سے تھے، ان حضرات نے روانہ ہوکر بئر معونہ پر قیام کیا، آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک عامر بن طفیل رئیس قبیلہ کے یہاں بھیجا گیا۔ اس ظالم نے قاصدِ نبی ﷺ کو قتل کر دیا، اور تمام اطراف کے کفار ومشرکین کو مسلح کر کے صحابہ کرام کی اس مختصر جماعت پر ٹوٹ پڑا، اور ایک ایک صحابی کو بے دردی اور سنگ دلی سے شہید کر دیا، صرف ایک صحابی جان بچا سکے، انھوں نے نبی کریم ﷺ کو اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع دی، آپ ﷺ یہ خبر سن کر فرطِ غم اور شدت صدمہ سے بالکل نڈھال ہوگئے، اس واقعہ کا آپ ﷺ پر اس قدر اثر پڑا کہ آپ ﷺ

(۱) جمع الفوائد، ص ۲۴۰

نے ایک مہینہ تک نماز فجر میں ان ظالموں کے لیے بددعا کی۔

مبلغین اسلام کے ساتھ غدّاری اور ان کی دردناک شہادت

اس طرح ایک دفعہ کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمارا قبیلہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ ان کو تعلیم کے لیے کچھ معلمین مرحمت فرمائے جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی باتوں پر اعتماد کر کے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ کر دیا، چنانچہ یہ حضرات دینی تعلیم کا جذبہ لے کر روانہ ہوئے، یہ حضرات جب مقام رجیع میں پہنچے تو ظالموں نے غداری کی، اور صحابہ کرامؓ کی اس پوری جماعت کو تہ تیغ کر دیا، صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت خبیبؓ دو صحابی بچ گئے جن کو کافروں نے گرفتار کر لیا، اور مکہ جا کر ان دونوں کو بیچ ڈالا، ان دونوں بزرگوں کو دو کافروں نے خرید لیا، اور اس مقصد سے خریدا کہ انتقام میں ستا ستا کر قتل کیا جائے گا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، اس کے لڑکوں نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے آپ کو خریدا، چند دنوں تک آپ کو ان کافروں نے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈال کر گھر میں رکھا، اور قیدی کا سا سلوک کیا، ایک دن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اس عالم قید میں استرہ لیے ہوئے تھے کہ اسی کافر گھرانے کا ایک چھوٹا بچہ آپ کے پاس چلا آیا، رسول اللہ ﷺ کے پاکباز صحابی نے محبت سے اس بچے کو گود میں اٹھایا، اور پیار کرنے لگے، کافروں نے آپ کے پاس جب اپنے معصوم بچے کو دیکھا تو بہت گھبرائے، کہ جس کو قتل کرنے کے لیے ہم نے خریدا ہے، وہ ہمارے بچے کو ایسی حالت میں کیوں معاف کرے گا، مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ جب بچے سے پیار کر چکے تو اس کو ہنسی خوشی کہا ماں کے یہاں چلے جاؤ۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت

خاندان حارث نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کا شاندار اہتمام کیا، ایک دن جشن کا مقرر کیا، اپنے تمام لوگوں کو دعوت دی کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کو قتل کرنا ہے، متعینہ دن میں آپ کو حرم سے باہر لے گئے اور مقتل میں پہنچایا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے

یہاں پہنچ کر ظالموں سے دو رکعت نماز کی اجازت چاہی، جلد جلد دو رکعت نماز ادا کی، جی آج لمبی نماز پڑھنے کو چاہ رہا تھا مگر اس خیال سے مختصر کر دیا کہ ظالموں کو یہ شبہ نہ ہو، کہ قتل کا خوف طاری ہے، جس کی وجہ سے یہ حیلہ کیا گیا ہے، پھر بڑے درد انگیز لہجے میں وہ اشعار پڑھے جو تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں جن کا ماحصل یہ ہے:

"اگر محض اسلام کی خاطر قتل کیا جا رہا ہوں تو اس جان کی کوئی پروا نہیں، جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے، رب العالمین میرے جسم کے انھی ٹکڑوں اور بوٹیوں پر برکت کا نزول فرمائے گا۔"

پھر ظالموں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر ہر طرح کے ہتھیار سے حملہ شروع کر دیا، سارے بدن کو زندہ رکھتے ہوئے چھلنی بنا ڈالا، باہم خوب خوش ہوئے، کلیلیں مچائیں اور اس طرح بے دردی اور سنگ دلی سے آپ کو سولی دے کر شہید کر ڈالا گیا (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

مگر واہ رے حق پرست مسلمان، ان ساری اذیتوں کو برداشت کر لیا مگر زبان پر خدا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شکوہ نہ آیا، اور یہ کہتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

ع جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جن کافروں نے خریدا تھا ان کو بھی انھوں نے اسی طرح بے دردی سے شہید کیا، جس طرح حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو۔ کافروں نے ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کہ آج تمھاری جگہ تمھارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم کو چھوڑ دیا جاتا، تو تم کو کتنی خوشی ہوتی؟ اس طعن کا جواب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے برجستہ یہ دیا، خدا کی قسم! مجھے اپنا اس طرح قتل ہو جانا بخوشی پسند ہے، مگر میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے، بہرحال اس سوال و جواب کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی ظالموں نے ستا ستا کر شہید کر ڈالا[1]۔ (رضی اللہ عنہما)

(۱) دیکھیے بخاری، باب غزوۃ الرجیع۔ الخ

سرکار کونین ﷺ کو اس واقعہ ہائلہ کی جب خبر ملی، تو آپ ﷺ کے دل پر بہت زبردست چوٹ لگی، اور کیوں نہ لگتی کہ کفار اِن جاں نثاروں کو نہیں بلکہ بالذات رسول اللہ ﷺ کو یہ سارے زخم لگا رہے تھے اور مقصد تبلیغ دین کو بند کرنا اور اسلام کو بیخ و بُن سے اکھیڑنا تھا۔

مسلمان ان دل ہلا دینے والے واقعات کو پڑھیں اور کوئی بات دل کی ان سے کہے تو اس پر عمل کریں، مسلمان ہرگز فراموش نہ کریں کہ:

ع دہر میں مسلم ہے حق کی آزمائش کے لیے
تمغۂ ایماں نہیں ملتا نمائش کے لیے

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے چھیڑ چھاڑ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کی نیت سے ایک دفعہ مکہ تشریف لے گئے، اور اپنے ایک کافر دوست امیہ بن خلف کے یہاں قیام فرمایا، حضرت سعد طواف کے لیے نکلے تو راستے میں ابوجہل مل گیا، اس نے امیہ کو مخاطب کر کے پوچھا، تمھارے ساتھ یہ کون ہے؟ امیہ نے کہا، یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہیں، ابوجہل حضرت سعدؓ کا نام سن کر برس پڑا، اور ان سے کہنے لگا کہ تم نے صابیوں (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، ان کے معاون و مددگار بنے ہوئے ہو، اور پھر مکہ میں اس آزادی سے پھرتے ہو؟ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو پھر گھر واپس ہونا نصیب نہ ہوتا، یہ طعن و تشنیع سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بھی غصہ آ گیا اور فرمایا، اچھا ذرا مجھے روک کر دیکھ لو، کیا حشر ہوتا ہے۔ مدینہ کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا[1]۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ کی بے بسی

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعہ اسلامی تاریخ میں بڑی شہرت رکھتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے جب اسلام کا کلمہ پڑھا اور آنحضرت ﷺ کے فدائیوں میں شریک ہوئے، تو ان کے گھر والوں نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی سے پیٹا، ان کے باپ

(۱) سیر انصار جلد دوم، صفحہ ۱۲ بحوالہ بخاری

سہیل نے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی اور گھر میں بند کر دیا، موقع پا کر حضرت جندل رضی اللہ عنہ گھر سے زنجیر کے ساتھ نکل پڑے اور گرتے پڑتے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں میں پہنچ گئے۔

ٹھیک اس وقت ان کے باپ سہیل اہلِ مکہ کی نمائندگی کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ سے صلح کی اس دفعہ پر بحث کر رہے تھے کہ مکہ سے کوئی بھاگ کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور خواہ مسلمان ہی ہو کر کیوں نہ آئے، مگر آپ ﷺ اسے مکہ واپس کر دیجیے، اثنائے بحث میں سہیل کی نگاہ اپنے بیٹے ابوجندل پر پڑ گئی جو پابجولاں تھے، سہیل نے چلا کر کہا محمد! معاہدہ پر عمل کرنے کا یہ پہلا موقع ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے اور اس پر دستخط نہیں ہوئے ہیں، ابوجندلؓ کو یہیں رہنے دیا جائے ..... سہیل نے جھلا کر کہا پھر صلح نہیں ہوسکتی، آنحضرت ﷺ نے سہیل کے اس شدید اصرار اور صلح کو ناکامیاب ہوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اچھا تمھاری یہ شرط بھی منظور ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تاثر

ابوجندلؓ نے اس شرط کو سنا تو گھبرا گئے اور انھوں نے بدن سے کپڑا اتار ڈالا، اور مسلمانوں کو دکھایا دیکھیے یہ وہ نشانات ہیں جو ظالموں نے مارا پیٹا ہے، میرا جرم قبولِ اسلام کے سوا کچھ نہیں، کیا پھر اسی دن کے لیے مجھے مکہ واپس کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے جب ابوجندل کا جسم دیکھا اور زخموں کے نیلے نیلے نشانات دیکھے تو بہت متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے یہ گفتگو کی،

عمر رضی اللہ عنہ : یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ برحق نبی نہیں ہیں؟

آنحضرت ﷺ: ضرور!

عمر رضی اللہ عنہ : یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں اور دشمنانِ اسلام باطل پر؟

آنحضرت ﷺ: اس میں کیا شبہ ہے، یقیناً۔

عمر رضی اللہ عنہ : یارسول اللہ ﷺ! پھر ہم دب کر کیوں صلح کرنے لگیں۔

آنحضرت ﷺ: میں اللہ کا رسول ہوں، اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔

الغرض حضرت ابوجندلؓ کو بادل ناخواستہ مکہ کی طرف رخصت کرنا پڑا۔ ابوجندلؓ نے فریاد کی، مسلمانو! میرے دین میں رخنہ ڈالنے کے لیے مجھے واپس کررہے ہو، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے آبدیدہ ہوکر صبر وتحمل کی تلقین فرمائی۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ مصیبت میں

کچھ اسی طرح کا واقعہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آیا، صلح حدیبیہ کے بعد وہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ تشریف لائے، مکہ والوں نے آنحضرت ﷺ کو خبر بھیجی کہ صلح کی شرط کے مطابق ان کو مکہ واپس کردیں، مجبوراً آپ ﷺ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس کیا، انھوں نے کفارِ مکہ کی داستانِ ستم سنائی، تو آپ ﷺ نے صلح کی اہمیت جتا کر فرمایا، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کوئی راستہ پیدا کردے گا(۱)۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، کہ مکہ، مدینہ کے بیچ میں اس طرح کے لوگوں نے اپنا ایک مستقل اڈہ بنالیا اوراس طرح رب العالمین نے ان کے لیے ایک صورت پیدا کردی۔

مظالم کے شکوہ پر آنحضرت ﷺ کی تلقین

رسول اکرم ﷺ ایک دن کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے، اور صحابہ کرام پر اس زمانہ میں پیہم مصائب اور ظلم وجور کی بارش ہورہی تھی، حضرت حباب رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، اور داستان غم سنا کر دعا کی درخواست کی، آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے خاص انداز میں فرمانے لگے تم سے پہلے لوگوں کا حال یہ تھا کہ ان کے گوشت میں لوہے کی کنگھیاں پھیری جاتی تھیں اور اس طرح ان کی کھالیں ادھیڑی جاتی تھیں کہ یہ حق سے پھر جائیں، مگر وہ یہ ساری اذیتیں برداشت کرلیتے تھے، ان کے سروں پر آرا چلا کر ان کے دوٹکڑے کردیے جاتے تھے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے (لہٰذا گھبرانے کی بات نہیں) سنو! اللہ تعالیٰ اس دین کو کامل فرمائے گا، امن وامان کی فراوانی ہوگی اور اللہ کے سوا کسی اور کا خوف آدمی کے دل میں باقی نہ رہے گا(۲)۔

---

(۱) سیر الصحابہ، جلد ۸، ص ۲۸۹۔۲۹۰

(۲) بخاری قول ما علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کافروں کی یورش

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو کافروں نے ان کو بھی معاف نہ کیا، اہل مکہ کے ظلم وجور کی وجہ سے گھر میں بند ہوئے، عاص نے پوچھا کیا حال ہے، فرمایا خطرہ ہے کہ کہیں تیری قوم مجھے قتل نہ کر ڈالے، عاص نے اپنی پناہ کا اطمینان دلایا، تب اطمینان ہوا ...... عاص جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلا، اس نے دیکھا ایک بڑا مجمع ان کے گھر کا محاصرہ کیے کھڑا ہے، پوچھا کیا ارادہ ہے، سب نے جواب دیا خطاب کا بیٹا اپنے آبائی دین سے پھر گیا ہے، عاص نے بتایا کہ میں نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے، اَب کہیں جا کر مجمع واپس ہوا(۱)۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت مدینہ کو

مختصر یہ کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلے میں بڑی اذیت دی، اور بے انتہا ستایا، اس قدر ظلم وجور کی بوچھاڑ ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کے قیام سے بددل ہو گئے، ادھر مدینہ میں بتدریج اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے ہوئی کہ مکہ سے ہم لوگ مدینہ چلے جائیں، وحی الٰہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی، اذنِ ہجرت پاتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور انھوں نے آن کی آن میں اپنے کو ہجرت کے لیے تیار کر لیا۔ وطن کی محبت دل سے اٹھا دی، دولت وثروت کو پسِ پُشت ڈال دیا۔ دولت واحباب اور خویش واقارب کی رفاقت بھلا دی اور اپنے شہر سے بہت دور ایک دوسرے شہر کی طرف روانگی شروع کر دی۔

کفار کی مزاحمت

صحابہ کرام نے جس وقت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی، کفار مکہ کے مظالم بڑھ گئے انھوں نے ہجرت کو روکنے کی مختلف تدبیریں کیں، مگر مسلمانوں کا جذبۂ ہجرت فرو نہ ہوا۔ جان ومال اور بال بچوں کو خطرے میں ڈال کر ہجرت کرتے رہے۔ کفار مکہ جن چیزوں کے لے جانے میں مزاحم ہوئے یہیں مکہ میں چھوڑ دیا اور خود چلتے بنے۔

(۱) بخاری، باب اسلام عمر بن الخطاب

بلاشبہ یہ منظر رسول اکرم ﷺ کے لیے ہوش رُبا تھا کہ جاں چھڑکنے والوں کی جماعت اس بے سروسامانی کی حالت میں وطن کو سلام رخصت کہہ رہی تھی، اور مال واولاد کو چھوڑ کر وطن سے جدا ہو رہی تھی، مگر خوش تھے کہ دین کے نام پر یہ جذبہ کارفرما ہے۔
اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ ایثار بے نظیر تھا، دین کی محبت میں انھوں نے سب کچھ تج دیا۔ جان دینے پر راضی ہوگئے، پر ایمان پر داغ نہ آنے دیا اور ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے لیے ضروری اور مقدم قرار دیا۔ (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

درس عبرت

صبر وتحمل کے ان واقعات کو پڑھتے ہوئے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے، کہ ہم انھی بزرگوں کے نام لیوا ہیں، مومن ہونے کا دعویٰ ہمارا بھی ہے، سرور کائنات ﷺ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے ماننے والوں میں ہم میں بھی شریک ہیں، خدا کی کتابِ مقدس قرآن مجید اصلی حالت پر موجود ہے، آنحضرت ﷺ کے اقوال واعمال کا مجموعہ (کتب احادیث) اپنی پوری شرح وبسط کے ساتھ محفوظ ہے، پھر یہ کیا انقلاب ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ دین کے لیے جوش وخروش نہیں، حوصلہ وولولہ نہیں، ہمت وجرأت نہیں، جاں سپاری کا مخلصانہ جذبہ نہیں، اور تبلیغِ دین واشاعتِ اسلام کے لیے مسلسل جدوجہد نہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ گستاخی

رحمت عالم ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی غریب مسلمان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس کے بدن پر کپڑے نہ ہوتے، تو آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے، اور یہ قرض دام لے کر اس کی خوراک وپوشاک کا انتظام کرتے، ایک بار کسی مشرک سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قرض لیا، ایک دن اس مشرک نے دیکھا تو ان سے سخت لہجے میں کہا:

> ''او حبشی! تجھے معلوم ہے کہ اب مہینے میں کتنے دن رہ گئے ہیں؟ صرف چار دن، یاد رکھو اسی عرصے میں تم سے قرض وصول کرلوں گا، ورنہ پھر تم سے بکریاں چروا کر چھوڑوں گا۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سخت رنج ہوا، عشاء کے بعد خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے تو یہ ماجرا کہہ سنایا[1]، کون کہہ سکتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تلخ واقعہ سے دلی رنج نہ ہوا ہوگا...... ابھی تاریخ آئی نہیں اور صرف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے مشرکین موقع پاکر ایسی تلخ باتیں کہہ دیا کرتے تھے۔

چراگاہ پر ناگہانی حملہ

ایک دفعہ دشمنان حق ذی قرد کی چراگاہ پر ٹوٹ پڑے، یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چراگاہ تھی، یعنی سرکاری تھی، اس چراگاہ کے نگران حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے، کافروں نے ان کو شہید کردیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کرلیا، مسلمانوں کو خبر ہوئی تو نکلے اور مسلمان خاتون کو چھڑا کر لائے۔

اس طرح کے واقعات وحقائق کو جب ہم پڑھتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور تھوڑی دیر کے لیے فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹانے کی دشمنوں نے اس قدر کوششیں کیں، مگر حق تعالیٰ کو اسلام کی روشنی سے دنیا کو جگمگانا تھا، اس لیے آنحضرت بایں ہمہ باقی رہے اور اسلام کی روشنی پھیل کر رہی۔

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾(التوبۃ۹:۳۲)

اُسوہ حسنہ

اس دین کے امینوں کو سوچنا چاہیے کہ آج کل ہم پر کتنی اہم ذمہ داری آپڑی ہے، اور اس دین کی اشاعت وتبلیغ مسلمانوں کا کس طرح سب سے اولین فریضہ ہے، پہلے خود عملی طور پر صحابہ کرام کی زندگی اختیار کرنے کی سعی کریں، پھر دوسروں کو اس پر آمادہ کریں، دنیا کا کھویا ہوا امن وامان اسی دین کی اشاعت میں مضمر ہے۔

❋......❋......❋......❋

(۱) اسوہ صحابہ بحوالہ ابوداود، کتاب الخراج

اسلام اور پیغمبر ﷺ کو مٹانے کی ناپاک تدبیریں

سرور کائنات ﷺ کو کفار مکہ نے جتنی اذیت دی، اس کی پوری روداد نہ لکھنے کی تاب ہے، اور نہ پڑھنے کی طاقت، چند گوشوں پر سرسری روشنی ڈال دینی ہے تاکہ موجودہ دور کے مسلمان ان کو پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ یہ اسلام جس کو یہ اپنے اعمال واخلاق سے رسوا کر رہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے کن پرخار وادیوں سے گزر کر اس کو ہم تک پہنچایا، اور اس طرح ساری دنیا پر آپ ﷺ کا کتنا عظیم الشان احسان ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا جو واقعہ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے، اس کو پڑھنے کے بعد یقین کرنا پڑتا ہے کہ کفارِ مکہ نے اپنی کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھی۔

قتلِ نبی ﷺ کی تجویز

ایک دن قریش نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کیوں کر روکا جائے، اس مجلس مشاورت میں بحث وتمحیص کے بعد یہ تجویز پاس ہوئی کہ مکہ کا کوئی بہادر نوجوان جرأت کر کے خدمت نبوی ﷺ میں جائے، اور آپ ﷺ کا سرتن سے جدا کر دے، اس اہم کام کے لیے خطاب کے فرزندِ ارجمند عمر رضی اللہ عنہ تیار ہوئے، یہ اپنی شجاعت وجواں مردی میں بڑی شہرت کے مالک تھے، عمر نے قتل نبی کا عزم کیا، ہاتھ میں ایک عمدہ تیز تلوار لی، اور بھرے ہوئے کاشانۂ نبویؐ کی

طرف چل پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل نبی ﷺ کے لیے روانہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کر کے جب گھر سے نکلے ہیں تو قریش میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، اور عمر کی جرأت کا چرچا ہونے لگا، قوم کا رخ دیکھ کر عمر، اور نرالی شان سے روانہ ہوئے، اور وفور مسرت اور جوش غضب کی ملی جلی کیفیت میں سراپا خوف و وحشت بن گئے، مسرت اس کی تھی کہ قوم وملک میں شرف ومکرمت اور عزت ورفعت حاصل ہوگی، اور جوش غضب اس پر کہ ایک معمولی انسان پوری قوم کی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ اپنے کافرانہ غرور کے ساتھ کاشانۂ نبوی ﷺ کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ان کی ملاقات نعیم بن عبداللہ سے ہوگئی۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے تیور دیکھ کر کھٹکے، اور بات کی بات میں ان کا رخ پلٹ دیا، چنانچہ عمر وہیں سے مڑے اور بپھرے ہوئے اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے، وہاں پہنچ کر اپنی بہن اور بہنوئی سے بری طرح الجھ پڑے، اور ہاتھا پائی شروع کر دی۔

قدرت ان حرکتوں پر خندہ زن تھی، عمر کا غصہ سرد پڑا تو بہن سے قرآن پاک کی آیتوں کو لے کر پڑھنا شروع کیا، پڑھنا ختم کیا تو عمر رضی اللہ عنہ بدل چکے تھے، اور ایک دوسری آگ ان کے دل کو جلانے لگی تھی، یہاں سے رواں دواں خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر جمال نبوی ﷺ کے شیدائیوں میں شریک ہوگئے۔

یہ درست ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے مسلمانوں کو تھوڑی بہت تقویت ہوئی، مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ کفار کی ایذا رسانی دن بدن بڑھتی ہی گئی .... یہ الگ بات ہے کہ اللہ کے برگزیدہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا جوشِ عمل ان کی ایذا رسانی سے متاثر نہ ہوا، اور ان کی درندگی وبربریت مسلمانوں کے قدموں میں کوئی تزلزل پیدا نہ کر سکی، تبلیغِ دین کا کام برابر جاری رہا اور لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔

خاندانِ رسول ﷺ سے مکمل بائیکاٹ کی تجویز

مکی زندگی میں کفار مکہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی طرح تبلیغ کا کام بند نہیں کرتے، لہٰذا ایک دفعہ اہل مکہ نے مل کر ایک اور اہم تجویز پاس کی، اور اس امید کے ساتھ پاس کی کہ اس میں ضرور کامیابی ہوگی، تجویز یہ تھی کہ ابوطالب سے مطالبہ کیا جائے کہ یا تو وہ اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کو ہمارے حوالے کر دیں، یا پھر پورا مکہ ابوطالب کے پورے خاندان کا بائیکاٹ کرے گا، بائیکاٹ کا مطلب یہ ہے کہ سلام کلام چھوڑ دے گا، لین دین ترک کر دے گا، برادرانہ سلوک اور تعلقات بند کر دے گا، سودا سلف بیچنا خریدنا رکوا دیا جائے گا۔ غلہ اور اناج کی بندش کر دی جائے گی، بازار سے کوئی چیز نہ مل سکے گی خوشی اور غم میں کوئی شریک نہ ہوگا اور سارے سماجی اور انسانی رابطے منقطع ہو جائیں گے۔

ابوطالب کا تاریخی فیصلہ

یہ تجویز ابوطالب کے سامنے لائی گئی، ابوطالب کے لیے یہ سوال بڑا ہی اہم اور پیچیدہ تھا۔ ایک شخص کی حمایت کی وجہ سے پورے قبیلے کی زندگی تلخ ہو رہی تھی جس میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے، بیمار، تندرست سبھی تھے، یہ دراصل ابوطالب کے استقلال اور ان کی محبتِ محمدی ﷺ کا سخت امتحان تھا مگر داد دینی پڑتی ہے، ابوطالب کی دوراندیشی، معاملہ فہمی اور جرأت وہمت کی کہ انھوں نے اِس نازک موقع پر تاریخ کا بے مثال فیصلہ کیا یعنی انھوں نے ساری مصیبتوں کے جھیل لینے کو پسند کیا، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ بھتیجے کو ظالموں کے حوالے کر دیں۔

شعب ابی طالب میں

پھر ہوا یہ کہ اہل مکہ نے صرف آنحضرت ﷺ کی عداوت میں اس مہلک تجویز پر عمل کیا، ابوطالب اپنے خاندان کے ساتھ اہل مکہ سے کٹ گئے، اور ''شعب ابی طالب'' نامی گھاٹی میں قیدی سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔

اس بائیکاٹ میں بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ بچے بھوک سے بلک بلک کر رونے لگے، کھانے کے لیے دانہ دانہ کو ترسنے لگے۔ مستورات کا برا حال ہوا، بچوں کا حال زار

ان کے لیے سُوہانِ رُوح بن گیا۔ مردوں نے موت سے کھیل کر زندگی گزاری۔ سوکھے چمڑے اور درخت کے پتے اُبال اُبال کر کھائے اور جان بچائی۔

ان حالات میں دو چار دن نہیں، دو چار ہفتے نہیں، دو چار مہینے نہیں مسلسل تین سال گزارنے پڑے۔ بالآخر قدرت کو رحم آیا اور ایسی شکل پیدا کی کہ مقاطعہ کی جان لیوا مصیبت اللہ اللہ کر کے ختم ہوئی۔

یہ مصیبت ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے اسلام کی خاطر برداشت کیا، اور زبان پر خدا کا شکوہ نہ آیا، کاش مسلمان ان حالات کو نظروں میں رکھتے، اور سوچتے ان کو کیا کرنا چاہیے۔

ابوطالب کی اچانک موت

ابوطالب آپ ﷺ کے پیارے چچا ہیں جن کی آپ ﷺ پر ہمیشہ شفقت رہی، ہر موقع پر آپ ﷺ کا ساتھ دیا، اور جب کوئی سخت وقت آیا تو آپ ﷺ کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ آپ ﷺ کو سن کر حیرت ہوگی کہ مکی ہی زندگی میں ابوطالب کا انتقال ہو گیا، اور اس طرح ایک ظاہری سہارا جو باقی تھا وہ بھی جاتا رہا۔

ظاہری اسباب کی، دنیا کی زندگی میں اگر کوئی اہمیت ہے، اور یقیناً ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ کو ابوطالب کی اچانک موت سے زبردست صدمہ پہنچا ہوگا، اور چچا کی جدائی نے قدم قدم پر ستایا ہوگا، مگر بایں ہمہ اسلام کی تبلیغ کے کام میں کوئی فرق نہ آنے دیا، بلکہ پہلے ہی جیسے جوش وخروش سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

ابوطالب کی موت کا یہ اثر ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے دشمن جو مکہ کی گلی کوچوں میں کیڑوں مکوڑوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے، ابوطالب کے مرتے ہی اژدر شیر ہو گئے، اور ان کے حوصلے اور بڑھ گئے۔

آنحضرت ﷺ طائف کی سرزمین میں لہولہان

آنحضرت ﷺ ابوطالب کی موت کے بعد مکہ میں بظاہر کس مپرسی کے عالم میں رہ گئے، کفار کی ایذا رسانی بہت بڑھ گئی، ان حالات میں سوچ کر طائف کا قصد کیا، اور

پُر امید ہو کر طائف کی سرزمین پر قدم رکھا اور تبلیغ دین کا کام شروع کر دیا۔

مگر آہ طائف کے لوگوں نے جو سلوک کیا، اس کے صرف تصور سے بدن کانپنے لگتا ہے، وہاں کے رئیسوں نے نوجوانوں کو اشارہ کر دیا، پھر کیا تھا، سنگ باری اور ڈھیلہ باری شروع کر دی گئی، اور سرکار دو عالم ﷺ پر ان ظالموں نے پتھروں کی اس قدر بارش کی کہ جسم اطہر لہولہان ہو گیا، نعلین مبارک خون سے تر بتر ہو گئے، بدن زخموں سے چور چور ہو گیا...... اور اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ سید الکونین ﷺ کی اس مصیبت پر زمین و آسمان تھرا اٹھے، رب العالمین کا غضب جوش میں آ گیا، اور قریب تھا کہ آپ ﷺ کے ایک اشارہ پر یہ شہر طائف ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائے، مگر قربان جایئے رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفقت و محبت پر، اس وقت بھی آپ ﷺ کی زبان وحی ترجمان پر جو جملہ آیا وہ یہ تھا:

''خداوند! ان سے وہ بچے جنم لیں جو تیری مخلصانہ عبادت کریں، اور کفر و شرک سے نفور ہوں۔''

سب سے بڑی مصیبت کی کہانی سرکار دو عالم ﷺ کی زبانی

اس دن کی مصیبت کی کہانی خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رحمت عالم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا غزوۂ احد سے بڑھ کر بھی سخت مصیبت آپ ﷺ کو پیش آئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس سے بھی سخت مصیبت پیش آئی جس دن عبد یالیل بن عبد کلال کے پاس حق کا پیغام لے کر اس کو سنانے گیا، اس روز جو مصیبتیں پیش آئیں وہ بہت سخت اور صبر آزما تھیں، میں نے اس کے سامنے توحید کا پیام پیش کیا، تو اس نے قبول نہیں کیا، میں وہاں سے اداس اور محزون و دلگیر واپس ہوا، اسی رنج و غم میں قرن ثعالب میں پہنچا، اوپر سر اٹھایا تو دیکھا یہ بادل کا ٹکڑا سایہ فگن ہے، اس میں حضرت جبریل امین علیہ السلام تھے، انھوں نے مجھے آواز دی، اور کہا کہ رب العالمین نے قوم کی وہ ساری کارستانی دیکھی ہے جو اس نے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خدمت میں ملک الجبال

(پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا ہے، تاکہ آپ ﷺ ان سے جو کام چاہیں لیں، اتنے میں ملک الجبال کی آواز آئی، سلام کے بعد اس نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ دیکھا ہے جو اس ظالم قوم نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہے، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور آپ ﷺ کے رب نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے، تاکہ آپ ﷺ جو حکم دیں میں بجا لاؤں، اگر آپ ﷺ فرمائیں تو ان دو پہاڑوں کو ٹکرا دوں (جن میں پس کر یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا:

''میں تو اس بات کی امید لیے بیٹھا ہوں کہ رب العالمین ان کی صلبوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کا کسی کو ساجھی نہ بنائیں گے۔'' (ریاض الصالحین نووی، ص ۳۰۹)

طائف اور مکہ کی دل آزاریوں کے باوجود آنحضرت ﷺ ''اسلام'' کے احکام پہنچانے میں منہمک رہے، اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی و غفلت نہ ہونے دی، صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ جا چکے تو کافروں کا غیظ و غضب اور بڑھ گیا، اور اذیتِ رسول ﷺ میں دن بدن زیادتی ہی ہوتی گئی۔

قتل نبی ﷺ کا فیصلہ

مکہ میں گنے چنے چند مسلمان باقی رہ گئے تھے، اکابر صحابہؓ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، قریش کو یہ خیال رہ رہ کر ستا رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کا کوئی مضبوط مرکز بن جائے۔ لہٰذا وہ ایک ایسے اقدام کے لیے بے چین نظر آنے لگے جو مسلمانوں کی مرکزیت کو ختم کر دے، بلکہ ہو سکے تو مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹا دے، اس اہم کام کے لیے انھوں نے ایک اہم جلسہ بلایا۔

چنانچہ ایک متعین دن سارا مکہ اپنی پارلیمنٹ (دار الندوہ) میں جمع ہوا، آج تمام رؤسا اور زعمائے قوم شریک اجلاس ہوئے، عتبہ، ابوجہل، شیبہ، ابوالبختری، امیہ بن خلف، جبیر بن مطعم اور ابوسفیان تمام صنادید قریش موجود تھے۔ سرکار دو جہاں ﷺ اور آپ ﷺ

کے لائے ہوئے دین ''اسلام'' کو مٹانے کے تدبیر پر بحث شروع ہوئی۔ ابتدا میں لوگوں کی طرف سے مختلف رائیں اور تجویزیں پیش ہوئیں۔ کسی نے کہا آپ ﷺ کو بیڑی پہنا کر گھر میں ڈال دیا جائے۔ کسی کی تجویز ہوئی آپ ﷺ کو اونٹ پر بٹھا کر کسی جنگل میں جا کر چھوڑ دیا جائے، اور کسی نے کچھ اور رائے دی، مجلس نے تمام تجویزوں پر غور کیا، مگر کسی پر اتفاق رائے نہ ہو سکا، اس سلسلے میں ایک تجویز جو ایک تجربہ کار نے پیش کی، سب کو پسند آئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ ایک متعین دن میں ہر قبیلے کے نوجوان مل کر آپ ﷺ کا گھر گھیر لیں اور حملہ کر کے یکبارگی آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں، پھر سارا قصہ ہی ختم ہو جائے گا، ''نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری'' سارے قبیلوں کی شرکت کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کے قبیلہ کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اس تجویز پر سبھوں کا اتفاق ہو گیا اور یہ متفقہ طور پر پاس ہو گئی۔

اس تاریخی تجویز پر عمل درآمد کا پورا نقشہ مرتب کر لیا گیا اور سارا سامان فراہم کر لیا گیا، ایک طرف قریش کے یہ ناپاک منصوبے تھے، اور اسلام کو ختم کرنے کی یہ سازش ہو رہی تھی، دوسری طرف قدرت اس پر خندہ زن تھی۔

کاشانۂ نبوی ﷺ گھیرے میں

آپ ﷺ جانتے ہیں موسم حج کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر کتنے مدنی حضرات اسلام قبول کر چکے تھے، اور مدینہ آنے کی دعوت بھی دے چکے تھے۔ رب العالمین نے جبریل امین کے ذریعے کفار مکہ کی ساری خفیہ کارروائی کا راز آپ ﷺ پر منکشف کر دیا اور آپ ﷺ کو اذنِ ہجرت بھی عطا کر دیا گیا...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے دو عمدہ اونٹنیوں کو اسی دن کے لیے پال رکھا تھا، جونہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی سارا سامان درست ہو گیا۔

دیکھیے آج رات میں یہ پورا مکہ امنڈ آیا ہے۔ ہر ہر قبیلے کے نوجوان حاضر ہیں۔ ظالموں نے رسول الثقلین ﷺ کا کاشانہ محاصرے میں لے رکھا ہے، اور طے کردہ پالیسی کے مطابق سید الکونین ﷺ کے باہر آنے کے یہ منتظر ہیں کہ جونہی آپ ﷺ باہر

آ ئیں سینکڑوں تلواریں دفعتہً برس پڑیں گی، خدا کے رسول ﷺ کے خون میں تیرتی نظر آ ئیں گی، اور ایک بے یار و مدگار کی لاش خون سے لت پت تڑپتی دکھائی دے گی، پھر کیا ہوگا کہ کفار خوشی میں عزیٰ و ہبل کے جیکارے بلند کریں گے اور اسلام کا نام ونشان حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا۔

یہ سرور کائنات ﷺ کا کاشانہ ہے، آپ ﷺ مطمئن ہیں اور جو کچھ کفار سوچ رہے ہیں سب کی خبر رکھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانت کا حساب کتاب سمجھا رہے ہیں اور اس سلسلے میں ہدایتیں دے رہے ہیں، سارے کاموں سے فرصت پا کر نکلنے کا وقت آتا ہے تو دیکھتے ہیں ہر چہار طرف سے اعداء واشقیاء محاصرہ کیے ہوئے ہیں، کہیں سے ایسی جگہ نہیں جہاں سے اس طرح نکل جائیں کہ کوئی دیکھنے نہ پائے، مگر بایں ہمہ قرآن پاک کی چند آیتیں پڑھتے ہوئے اللہ کا نام لے کر باہر نکلتے ہیں اور اس طرح نکل آتے ہیں کہ کافروں کو خبر تک نہ ہوئی کہ کوئی گھر سے نکلا۔

اُسوہ حسنہ

ضرورت ہے کہ مسلمان آپ ﷺ کی زندگی کے اس پہلو سے اعتماد واتکال کا سبق حاصل کریں، خدا کے حکم پر پورا اذعان وایقان بڑی دولت ہے۔ ہمارے اسلاف نے اپنے اس ایمان وایقان سے بارہا آگ کو گلزار بنایا ہے، کانٹوں کو پھولوں کی سیج میں بدل دیا ہے اور بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں، کاش ہم سوچیں۔

غارِ ثور میں روپوشی

بہرحال رحمت عالم ﷺ کی مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، کفار کے نرغہ سے نکل کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور تیزی سے مکہ سے روانہ ہوئے، چھپتے چھپاتے چل رہے ہیں کہ کسی دشمن کی نگاہ نہ پڑے، مکہ سے باہر آ کر کعبہ کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا اور مخاطب کر کے فرمایا:

"اے مکہ! تو مجھے بہت عزیز ہے مگر کیا کیا جائے، تیرے فرزندوں نے مجھے یہاں برداشت نہ کیا۔"

شہر سے باہر آ کر غار ثور میں روپوش ہوئے، مگر آہ کس طرح؟ کہ یہاں نہ کوئی آبادی ہے، اور نہ انسانوں کے رہنے کا کوئی معقول انتظام، نہ بستر ہے اور نہ کوئی دوسرا سامان، صرف ایک جان نثار خادم ساتھ ہے اور بس، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے خود غار کے اندر تشریف لے جاتے ہیں، اسے صاف کرتے ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی جگہ بناتے ہیں۔

پھر باہر آ کر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر لے جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرتے ہیں، مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کانپ رہے ہیں، اور انسانی طبیعت سے مجبور ہو کر گھبرا رہے ہیں، اپنی جان کا کوئی خوف نہیں، خوف ہے تو اس کا کہ انسانیت کا خادم صلی اللہ علیہ وسلم، اور انسانوں کا ہادی صلی اللہ علیہ وسلم جان کے خطرے میں گھرا ہے۔

دشمن غار کے دروازے پر

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسی خیالی کشمکش میں مبتلا تھے کہ سچ مچ کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد غار کے منہ پر پہنچ گئی اور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہے کہ مل جائیں تو گرفتار کر کے لے جائیں اور قتل کر ڈالیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آہٹ پاتے ہی کانپ اٹھے، ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دل غم والم کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گیا۔ خادمِ جاں نثار نے صبر وتحمل سے کام لینے کی انتہائی کوشش کی، مگر انسانی طبیعت نے چین نہ لینے دیا، پکار اٹھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم! دشمنوں کی جماعت سر پر پہنچ چکی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھرّائی ہوئی آواز سنی تو بڑے اطمینان وسکون سے فرمایا ابوبکر (لا تحزن ان اللہ معنا)، گھبراتے کیوں ہو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پُر جلال آواز نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسکین عطا کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے کہ کفار غار کے بالکل منہ پر پہنچ گئے تھے۔ میں مشرکوں کے پاؤں دیکھ رہا تھا۔

چنانچہ یہ منظر دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا، تو پھر ہمارا یہ راز فاش ہو جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ

بات سن کر فرمایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ! ان دو کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے، جس کے ساتھ تیسرا اس کا خدا ہے[1]۔

غارِ ثور سے روانگی کا دل گداز منظر

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور کفار ناکامیاب غار کے منہ سے واپس ہوئے، تین دن تک آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور میں قیام فرمایا، چوتھے دن غار سے اللہ کا نام لے کر نکلے، گو ابھی کفار کی تگ و دو ختم نہ ہوئی تھی، اور ایک غلام کی راہ نمائی حاصل کر کے مدینہ کو روانہ ہوئے، مگر اس طرح کہ ہر آن خطرہ تھا کہ کہیں کفار پہنچ نہ جائیں کیونکہ آپ ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے بعد ہی اعلان ہو چکا تھا کہ جو محمد ﷺ کو گرفتار کر کے لائے گا، سو اونٹ انعام پائے گا جو وہاں کی سب سے بڑی دولت تھی، اس لیے ہر طرف کفار کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔

اندازہ لگایا جائے کفار مکہ کو آپ ﷺ کی ذات سے کتنی سخت عداوت تھی کہ کل تک جس کو پاگل، سر پھرا شاعر اور نہ معلوم کیا کیا کہتے تھے، آج اس کی گرفتاری اور قتل کی جدوجہد اس پیمانے پر ہے۔

آپ ﷺ بچتے بچاتے مدینہ کی طرف بڑھے جا رہے تھے، پہلے برابر چلتے رہے، مگر دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ کی تمازت اور سفر کی تکان نے رکنے پر مجبور کیا، عرب کی دھوپ کا ہندوستان کی دھوپ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں، ریتلی زمین اور گرم ملک، دوپہر میں انگارے برستے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہوا جھلسا دینے والی ہوتی ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوپہر کی اِس تمازت میں چاہا کہ آپ ﷺ کسی سایہ دار جگہ میں کچھ دیر آرام فرمالیں، ہر طرف نظر دوڑائی مگر کوئی سایہ دار جگہ نظر نہ آئی، صرف ایک چٹان کے نیچے تھوڑا سا سایہ نظر آیا، وہاں پہنچ کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھا دی، اور آپ ﷺ سے آرام کرنے کی درخواست کی، جس کو آپ ﷺ نے شرف قبول بخشا، اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی کہ رحمت عالم ﷺ کو کچھ کھلایا جائے، ساتھ کچھ نہ تھا، بکری

---

(۱) بخاری باب مناقب المہاجرین وفضلہم۔

کے چرواہوں سے اجازت حاصل کر کے ایک بکری سے دودھ نکالا، اور اسے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔

راستے کی کہانی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانی

اس سبق آموز اور المناک واقعہ کو خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانِ حق آشنا سے سنیے، فرماتے ہیں:

''غار ثور سے نکل کر ہم رات بھر چلتے رہے، تا آنکہ دوپہر کا وقت آ پہنچا اور ٹھیک دوپہر کی ناچتی اور آگ برساتی دھوپ تھی کہ مجھے سایہ کی فکر ہوئی، میں نگاہ دوڑانے لگا کہ کہیں سایہ نظر آئے تو دوپہر گزار لی جائے، کچھ دوری پر ایک پتھر کا سایہ نظر پڑا۔ نزدیک پہنچ کر دیکھا تو معمولی سا سایہ ہے، بہر حال میں نے اتر کر جگہ برابر کی، اور سید الکونین ﷺ کے لیے پوستین بچھا دی، پھر میں نے درخواست کی کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! لیٹ جائیں اور ذرا آرام فرمالیں۔ آپ ﷺ لیٹ گئے، اب مجھے فکر ہوئی کہ آپ ﷺ کو کچھ کھلایا جائے، ادھر ادھر دیکھنے لگا، کوئی سامان نظر نہ آیا، آگے بڑھ کر دیکھا، تو ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریوں کو لے کر اسی سایہ کی طرف آ رہا تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس چرواہے سے دریافت کیا، تم یہ کس کی بکریاں چرا رہے ہو! جواب دیا، فلاں قریشی کی، میں نے نام سن کر اس قریشی کو پہچان لیا، اس لیے کہ میں اس کو جانتا تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اب میں نے اس سے پوچھا، کیا مالک کی طرف سے تمھیں ہم لوگوں (یعنی مسافروں) کو دودھ دینے کی اجازت ہے؟ چرواہا بولا، جی ہاں اجازت ہے، میں نے چرواہے سے کہا دودھ نکالو، اور ہم لوگوں کو پلاؤ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے کہنے پر اس نے بکری کو پکڑ کر، اپنے قابو میں کیا، میں نے اس سے کہا، بکری کا تھن جھاڑ لو، تا کہ دھول اور ریت دودھ میں گرنے نہ پائے، اور تم خود اپنے ہاتھ بھی جھاڑ لو، چرواہے نے ان ہدایات کے مطابق پہلے بکری کے تھن صاف کیے، پھر اپنے ہاتھ کو جھاڑا، اور پھر اس کے بعد اس نے دودھ نکالا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لیے میرے ساتھ ایک چھاگل تھی جس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ میں نے دودھ کو اس میں رکھ کر پانی سے ٹھنڈا کیا، اور پھر خدمت اقدس میں پیش کیا، آپ ﷺ بیدار ہوئے اور میرے ہاتھ سے لے کر دودھ نوشِ جان فرمایا، اب مجھے جا کر اطمینان ہوا، جب ان چیزوں سے فارغ ہو چکا تو درخواست کی، حضرت! روانگی کا وقت ہو چکا ہے۔"(۱)

دشمن سر پر

آفتاب ڈھل چکا تھا، لہذا آپ ﷺ روانہ ہوئے، لیکن ابھی چند ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ سراقہ بن جعشم نے آپ ﷺ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا جو انعام کے لالچ میں آپ ﷺ کی گرفتاری کے لیے نکلا تھا، آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر سراقہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور تیزی سے آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا، سراقہ نے عرب کے دستور کے مطابق ترکش سے تیر نکالا اور فال نکالی کہ گرفتار کرنا چاہیے یا نہیں جواب یہ تھا کہ نہیں، مگر سو اونٹ کا لالچ اور اس پر شہرت وعزت مستزاد، کیوں رکتا، پھر گھوڑا دوڑ کر آگے بڑھا، اس دفعہ اس کا گھوڑا گھٹنوں تک دھنس گیا، پھر تیر سے فال دیکھی۔ اب کے بھی فال نے اس کی مخالفت کی، اب سراقہ کو یقین آ گیا، کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا، تو آنحضرت ﷺ سے امن کی تحریر لے کر واپس ہو گیا(۲)۔

قبا میں مشغولیت

اللہ اللہ کر کے قبا پہنچے، یہاں مسلمانوں میں نزول اجلال فرمایا، اطمینان محسوس فرما کر وقت ضائع کرنے کو جی نہ چاہا، اب تک اللہ تعالیٰ کا کوئی باضابطہ گھر (مسجد) نہ بن سکا تھا۔ یہاں پہلی فرصت میں مسجد کی داغ بیل ڈالی، اور اس کی تعمیر میں برابر کے شریک رہے۔ اس قدر بھاری بھاری پتھر مسجد کے لیے آپ اٹھا کر لاتے کہ جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔

---

(۱) بخاری باب مناقب المهاجرین وفضلهم۔
(۲) بخاری، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه الی المدینة۔

قبا میں چند دنوں قیام کے بعد مدینہ روانہ ہوئے، یہاں بلاشبہ آپ ﷺ کا بڑا شاندار اور پرتپاک خیر مقدم ہوا، مگر افکار کے ہجوم سے یہاں بھی نجات نہ ملی، مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد ڈالی، خود صحابہ کرامؓ کے ساتھ تعمیر میں برابر شریک کار رہے، اس مسجد کے ایک گوشے میں ایک چبوترہ بنوایا، جو صفہ کے نام سے مشہور ہوا، یہ دراصل مدینہ کا دارالعلوم تھا اور محتاج مہاجرین کا سرکاری کیمپ۔

مدینہ میں افکار کا ہجوم

مشکلات کے اس ہجوم میں سب سے اہم کام جو سامنے آیا، وہ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا، بظاہر یہ بہت پیچیدہ اور مشکل مسئلہ تھا، مگر داد شجاعت وسخاوت دیجیے ان انصار مدینہ کو، جنھوں نے ایثار وقربانی اور ہمت وجرأت کی ایسی مثال پیش کی جو صرف انھی کا حصہ تھا، سرکار کائنات ﷺ کا اشارہ پاتے ہی آن کی آن میں سارا مسئلہ حل کر دیا، بات کی بات میں ان مہاجرین کی جماعت کو اپنا لیا، اور اپنے ان اجڑے ہوئے بھائیوں کو ہر چیز میں شریک بنا لیا، گھر بار، جائیداد، زمین، باغ، پھلواری ہر چیز میں آدھے کا مہاجرین کو حصہ دار بنانے کو آمادہ ہوگئے، ایثار کی حد کر دی کہ بعض روایتوں کے مطابق اس حد تک تیار کہ ہم میں جن کی چند بیویاں ہیں، وہ شرعی طور پر طلاق دے کر بعض بیویاں بھی حوالے کر سکتے ہیں تاکہ عدت کے بعد مہاجرین ان سے شادی کر لیں، یہ الگ بات ہے، مہاجرین نے بھی غیرت وحمیت سے کام لیا اور کسی پر بار بنے بغیر مزدوری کر کے، تجارت کر کے اور دوسرے جائز طریقے سے اپنی روزی پیدا کرنے کی سعی کی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مہاجرین جب مدینہ منورہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مہاجر کی مواخات (بھائی چارگی) حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع انصاری سے قائم فرمائی، چنانچہ حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن مہاجر سے کہا، میں انصاریوں میں سب سے مال دار ہوں، میں اپنا آدھا مال تقسیم کر کے تم کو دیتا ہوں، اور میری دو بیویاں ہیں، دیکھ لو ان میں جو پسند ہو، مجھ سے کہہ دو، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت کے بعد تم اس سے شادی کر لینا، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کے

مال اور اہل وعیال میں برکت عطا فرمائیں (مجھے ان کی ضرورت نہیں) مجھے بازار کا پتہ بتا دیں۔ (میں[1] اپنی روزی کما لوں گا)

اہل مدینہ کے نام قریش کا تہدید آمیز خط

کچھ لوگ سوچتے ہوں گے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد رحمت عالم ﷺ کو کفار مکہ کی اذیت سے نجات مل گئی ہوگی، مگر کیا عرض کیا جائے کہ ان کا کیا تھا، مدینہ میں اسلام کی اشاعت کی خبر برابر کفار مکہ کو مل رہی تھی، اور وہ عداوت کی آگ میں جل بھن رہے تھے، کفار مکہ سے نہ رہا گیا، مدینہ والوں کو ایک تہدید آمیز خط لکھا، جس میں پہلے آنحضرت ﷺ کو پناہ دینے پر ملامت تھی، پھر مشورہ تھا کہ تم محمد ﷺ سے لڑو، یا نکال دو، اور اخیر میں دھمکی تھی کہ اگر تم لوگوں نے ایسا نہ کیا تو تم پر سارے مکہ والے حملہ کر دیں گے، تمھارے جوانوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمھاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔

مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جیسا دشمنِ رسول ﷺ موجود ہی تھا، اس نے اس خط کی خوب تشہیر کی، اور اہل مدینہ میں خوف وہراس پیدا کرنا چاہا، تاکہ اہل مدینہ اہل مکہ سے ڈر کر سرکار کائنات ﷺ کی حمایت سے انکار کر دیں، مدینہ میں دشمنانِ رسول ﷺ کی ایک دوسری جماعت یہود کی تھی جو کسی طرح اذیت دینے کی سعی میں اہلِ مکہ سے کم نہ تھی۔

یہود ومنافقین کی سازش

یہود ومنافقین نے بھی قریش سے ساز باز کر کے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اپنی جدوجہد جاری کر دی، آنحضرت ﷺ اور صحابہ ان وجوہ سے بڑی کشمکش میں مبتلا ہو گئے، ایک طرف قریش مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو نیست ونابود کر دیں، دوسری طرف یہود مدینہ اور منافقین عداوت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مدینہ میں اشتعال پیدا کر کے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے، منافقین بے حد خطرناک تھے کیونکہ یہ منہ سے اپنے کو

(۱) بخاری، باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار

مسلمان کہتے، اور ان کا دل اسلام کی عداوت ونفرت سے لبریز تھا، دن کو مجلس نبوی ﷺ میں حاضر رہتے، اور رات کی تاریکی میں دشمنانِ اسلام سے مل کر اسلام کو مٹانے کی تدبیریں سوچتے۔

اُسوہ حسنہ

ان حالات کو سامنے رکھ کر سوچا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دن رات کیسے گزرتے ہوں گے، ایک طرف دشمنوں کی مدافعت کا اہم مسئلہ اور مسلمانوں میں اطمینان وسکون کی فضا پیدا کرنا، دوسری طرف اسلام کی تبلیغ کا کام جاری رکھنا، جو بنیادی کام تھا۔

آج مسلمانوں پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو وہ گھبرا جاتے ہیں، اور سوچتے نہیں کہ اسلام انھی حالات سے دو چار ہو کر پھیلا ہے اور مسلمان آگے بڑھے تھے، پیغمبر اسلام ﷺ کے ان حالات سے ہم اعتماد علی اللہ کا سبق حاصل کریں، ہر وقت دشمنوں کی خفیہ تدبیروں سے باخبر رہنے کی سعی کریں، اور پھر اسلام کے بنیادی کام تبلیغ پر پوری توجہ صرف کریں۔

اہل مکہ کے اثرات اور آنحضرت ﷺ کا حال زار

بہرحال قریش کی طاقت کوئی معمولی طاقت نہ تھی، ان کی مخالفت پورے عرب کی مخالفت کے مرادف تھی، کیونکہ ان کو کعبۃ اللہ اور حرم محترم کو تولیت اور مجاورت کا شرف حاصل تھا، سارا عرب ان کا احترام کرتا تھا، اور مکہ سے مدینہ تک جتنے قبیلے پھیلے ہوئے تھے وہ سب قریش کے زیر اثر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سارے قبائل قریش کی ہمنوائی میں اسلام کے مخالف اور پیغمبر اسلام ﷺ کے درپئے آزار تھے، اور یہ سارے کے سارے مدینہ پر حملہ کرنے کے تدبیریں سوچ رہے تھے، تاکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد خطرہ کی حد تک نہ پہنچ جائے، چنانچہ ہم مستند تاریخوں اور کتب حدیث میں پڑھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رات بھر جاگ کر گزارتے تھے۔ نسائی شریف میں ایک حدیث ہے کہ ایک شب آپ ﷺ نے فرمایا:

''کاش آج کی رات کوئی صالح بندہ حفاظت کرتا'' تھوڑی دیر بعد ہتھیار کی جھنجھناہٹ کی آواز آئی، آپ ﷺ نے فرمایا کون؟ جواب ملا، سعد بن ابی

وقاص، رات بھر انھوں نے ہتھیار لگا کر پہرہ دیا، تب جا کر آپ ﷺ نے آرام فرمایا۔"

حاکم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام جب مدینہ آئے اور انصار مدینہ نے ان کو پناہ دی تو سارا عرب انصار مدینہ کے ساتھ لڑنے کو آمادہ ہوگیا، چنانچہ صحابہ کرامؓ ہتھیاروں سے مسلح ہوکر سوتے تھے اور اسی حالت میں صبح کرتے تھے۔ (۱)

مدنی زندگی کی مصروفیت کا اندازہ

کفار مکہ، یہود اور عرب کے دوسرے قبائل نے بالآخر جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا، اور دس سالہ مدنی زندگی میں سید الکونین ﷺ کو چھوٹی بڑی چوہتر (۷۴) لڑائیاں پیش آئیں، ان میں ستائیس (۲۷) غزوات ہوئے، جن میں رحمت عالم ﷺ بہ نفس نفیس شریک جنگ ہوئے اور سینتالیس (۴۷) سریے پیش آئے، جن میں صحابہ کرام کو مسلح کر کے کسی صحابی کی قیادت میں مقابلے کے لیے روانہ فرمایا.......... گویا ہر سال سات لڑائیوں سے زیادہ لڑائیاں لڑنی پڑیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ تقریباً ہر ڈیڑھ ماہ میں ایک لڑائی پیش آئی، پھر یہ آپ خود سوچیے کہ ایک ایک لڑائی پر کتنا وقت صرف کرنا پڑتا ہوگا۔

اُسوہ حسنہ

اللہ اکبر! اس قدر مصروف زندگی تھی سید الکونین ﷺ کی، آرام پسند مسلمان سوچیں آج کوئی مسلمان ایسی مصروف زندگی کے لیے اپنے آپ کو آمادہ پاتا ہے، دین کے کاموں کے لیے سال میں چند دن دینے کے لیے بھی کوئی دین دار مسلمان تک تیار نظر نہیں آتا۔ عوام کو تو الگ رہنے دیجیے، دعا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اس سوتی ہوئی بستی کو خواب غفلت سے بیدار کر دے اور سیرت نبوی ﷺ کے ان پہلوؤں سے عبرت وبصیرت کا سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے۔

(۱) سیرۃ النبی، جلد اول، ص ۲۸۵۔۲۸۶

چراگاہ نبوی ﷺ پر حملہ

رسول الثقلین ﷺ کو مدینہ آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ مکہ کا رئیس کرز بن جابر فہری مدینہ کی چراگاہ پر چڑھ آیا اور حملہ کر کے آنحضرت ﷺ کے مویشی لوٹ لے گیا، اور پھر تو باضابطہ جنگوں کا سلسلہ ہی شروع ہوگیا۔

مگر سوچیے اور تاریخ کا بہ اِمعانِ نظر مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ عموماً تمام ہی غزوات اور سریوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم اور کفار کی تعداد بہت زیادہ ہوا کرتی، مسلمان اسلحہ اور دوسرے سامان سے محروم اور کفار اس زمانہ کے ہتھیاروں سے مسلح اور لوہے میں ڈوبے ہوئے، مسلمان مالی اور جسمانی اعتبار سے دیکھنے میں ہر طرح کمزور و ناتواں، مفلس اور تنگدست اور مدمقابل میں کفار، سرمایہ دار، مال و دولت کی فراوانی کے مالک، دیکھنے میں دیوہیکل، ایک طرف سواری کی قلت، دوسری طرف ضرورت سے زیادہ فراوانی، پھر قریش لڑنے بھڑنے میں جری، بہادر اور نامی گرامی اور انصار سادہ، نیک دل اور طبعاً لڑائی سے گریزاں، یہ دوسری بات ہے کہ جب میدانِ کارزار میں اللہ کا نام لے کر اتر گئے، تو میدان جیتے بغیر واپس نہ ہوئے۔

ہاں مسلمانوں میں ہزار روپے کی خوبی یہ تھی کہ اللہ کی راہ میں جان دینا ان کے یہاں موت نہیں حیات جاودانی تھی، آنحضرت ﷺ کی حمایت میں سب کچھ نثار کر دینا، ان پر گراں نہیں سہل بلکہ قابلِ فخر تھا اور ان کا ایمان تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس وقت مقررہ سے موت نہ پہلے آسکتی ہے اور نہ بعد ...... اور سچ پوچھیے تو ان کا ایمان وایقان ہی سب پر ان کو غالب کرتا تھا۔

اہلِ مکہ میں آنحضرت ﷺ کے خلاف جوش وخروش

میں عرض کرتا آ رہا ہوں کہ قریش یہود اور منافقین یہ تین اسلام کے سخت ترین دشمن تھے جن سے آنحضرت ﷺ گھرے ہوئے تھے، اہل مکہ نے لوٹ مار اور غارت گری شروع کر دی تھی، اور ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں منہمک تھے جس کے لیے مکہ میں بڑا جوش وخروش تھا اور بقول زرقانی اس فیصلہ کن جنگ کے لیے پچاس ہزار دینار سرخ

جمع کیا تھا، مکہ کی کوئی ایسی عورت اور کوئی ایسا مرد نہ تھا جو ایک مثقال کا مالک ہو، اور اس نے حصہ نہ لیا ہو، پھر یہ گراں قدر رقم تاجروں کے حوالے کی گئی (۱) تاکہ منافع حاصل کر کے مسلمانوں سے لڑا جائے، اور ان کا نام ونشان رُوئے زمین سے مٹایا دیا جائے۔

دعائے نبوی ﷺ

وہ تاریخی لڑائی جس کا اہل مکہ پورے جوش وخروش سے انتظام کر رہے تھے، آخر اس کا وقت آیا، اور بدر نامی مقام میں ۱۷ رمضان ۲ ھ کو اس فیصلہ کن لڑائی کے لیے کمزور مسلمانوں کو اترنا پڑا، خود سرور کائنات ﷺ بھی حق وباطل کے اس معرکۂ عظیم میں موجود تھے، اور اسلام کی سربلندی کے لیے بے چین تھے۔ آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ سب سے کٹ کر ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے رب العالمین سے رو رو کر دعا فرما رہے ہیں:

"الٰہ العالمین! تو نے نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے پورا کر، اگر خدام حق کی یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر رُوئے زمین پر انسانوں میں تیری عبادت کرنے والا باقی نہ رہے گا۔"

اور اس دعا میں ایسے کھوئے ہوئے ہیں کہ تن بدن کی کوئی خبر نہیں، چادر شانۂ مبارک سے گر گر جاتی ہے، اس عالم سوز وگداز کو جو دیکھتا ہے، اس کو رحم آتا ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بادر کو تھامتے ہوئے فرماتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ بس کیجیے، یہ الحاح وزاری کافی ہے (۲)۔
حق وباطل اور کفر واسلام کی یہ لڑائی جب شروع ہوتی ہے تو ایک طرف تین سو تیرہ (۳۱۳) فدایانِ اسلام ہوتے ہیں اور دوسری طرف ایک ہزار لات وہبل کے پجاری۔

ق وباطل کا فیصلہ

کافروں کا کافرانہ غرور اللہ بچائے، میدانِ کارزار میں سب سے پہلے عتبہ اپنے بھائی بیٹے کو لے کر نکلتا ہے، اور للکارتا ہے، عتبہ نے اپنے سینے پر ایک امتیازی نشان لگا رکھا ہے، ان تین کے مقابلے میں تین انصاری لشکرِ اسلام سے میدان میں اترتے ہیں، عتبہ ب انصاریوں کا نام ونسب پوچھتا ہے تو نخوت وغرور میں چلا اٹھتا ہے: محمد ﷺ! یہ

قصص القرآن، ص ۳۷۷، ج۴ (۲) بخاری، کتاب التفسیر

ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں، اب آپ ﷺ کے اشارے سے تین مہاجرین انصاریوں کی جگہ آتے ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیکھتے ہی دیکھتے چشم زدن میں یہ جاں نثارانِ اسلام کافروں پر اس طرح جھپٹتے اور حملہ کرتے ہیں کہ عتبہ، ولید اور شیبہ تینوں جہنم رسید ہو جاتے ہیں، اور پھر تھوڑی دیر میں گھسان کی جنگ شروع ہو جاتی ہے...... مگر ہوا کیا؟ دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھا کہ کفار مکہ نے بری طرح ہزیمت اٹھائی، ستر نامی گرامی قریش تہہ تیغ ہوئے، ستر گرفتار ہوئے، اور بقیہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرة٢:٢٤٩)

اس موقع پر زمین وآسمان نے جان نثاری اور فدویت کا عجیب منظر دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر اپنے کافر بیٹے پر لپکے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے کافر باپ کے مقابلے میں چمکی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔

انتقام کے نام پر تیاری

بدر کی شکست نے گو اہل مکہ میں صف ماتم بچھا دی مگر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے مٹانے کا جذبہ ختم نہیں ہوا، بلکہ اور تیز ہو گیا، اور انتقام کی آگ پورے مکہ میں پھیل گئی، جہاں دیکھیے یہی مشورے ہوتے نظر آئیں گے، کہ مسلمانوں کو اب کسی قیمت پر معاف نہ کیا جائے، تمام عرب کو متحد کر کے ان کا صفایا کر دیا جائے۔

عمیر قتل نبی ﷺ کے عزم سے

ایک دن مقام حجر میں عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کا اجتماع ہوا، صفوان نے مقتولان بدر کا چرچا چھیڑ دیا، عمیر بن وہب کہنے لگا، صفوان تم سچ کہتے ہو، اب جینے میں کوئی مزہ نہیں، اگر مجھ پر قرض کا بار نہ ہوتا، اور بال بچوں کی فکر دامن گیر نہ ہوتی، تو میں جاتا اور محمد ﷺ کا سر کاٹ لاتا، صفوان نے کہا اگر تم واقعی تیار ہو، تو میں تمہارے قرض اور بال بچوں کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہوں، بس یہ سننا تھا کہ عمیر تیار ہو گیا، سچ مچ وہ اٹھ

اور تیاری میں مصروف ہو گیا، گھر گیا، زہر میں تلوار بجھائی اور قتل نبی ﷺ کا مصمم ارادہ کر کے "مدینۃ الرسول" کی طرف چل پڑا۔

مدینہ پہنچ کر قتل نبی ﷺ کی موقع کی تاک میں رہنے لگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمیر کے تیور دیکھ کر بھانپ لیا کہ یہ دشمن رسول ﷺ بری نیت سے آیا ہے، چنانچہ انھوں نے عمیر کی گردن میں ہاتھ ڈالا، اور اس کو پکڑے ہوئے دربار نبوی ﷺ میں لے آئے۔ رحمت عالم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، عمیر کو چھوڑ دو، اور عمیر سے فرمایا ذرا قریب آ جاؤ، پھر پوچھا:

سرکار کائنات ﷺ : عمیر! سچ بتاؤ کس ارادہ سے تمہارا یہاں آنا ہوا؟

عمیر : حضرت! بیٹے کو چھوڑنے آیا تھا۔

سرکار کائنات ﷺ : تمھارے ساتھ یہ تلوار کس لیے ہے؟

عمیر : تلوار کا جو کام ہوتا ہے، اسی کام کے لیے۔

سرکار کائنات ﷺ : تم نے حجر میں صفوان سے یہ یہ باتیں نہیں کی ہیں؟

عمیر : (ہکا بکا ہو کر) خدا کی قسم، صفوان سے جس جگہ میں نے یہ باتیں کی ہیں، وہاں ہم دو کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا، محمد! آپ ﷺ بالیقین اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اس گفتگو کے بعد عمیر مسلمان ہو گئے۔

ابوسفیان کا حملہ

بدر میں نامی گرامی دشمنانِ رسول ﷺ بری طرح قتل ہوئے۔ اب مکہ کی لیڈری ابوسفیان کے ہاتھ آئی، انھوں نے بدر سے واپسی پر قسم کھالی، کہ جب تک مقتولانِ بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا، نہ سر میں تیل ڈالوں گا، اور نہ غسل جنابت کروں گا، ہر آن وہ انتقام کی فکر میں منہمک رہتے، ایک دن سوچتے سوچتے خیال آیا، مدینہ چلے چلو، فوراً دو سواروں کو ساتھ لیا اور مدینہ روانہ ہو گئے، مدینہ پہنچ کر یہودیوں سے ملے اور رائے مشورہ کیا، صبح اٹھ کر ابوسفیان نے مسلمانوں کی چراگاہ پر حملہ کر دیا، کچھ گھر پھونک کر جلا ڈالے، ایک مسلمان کو شہید کیا، اور پھر جان لے کر بھاگے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ

کو بہت افسوس ہوا، صحابہؓ فوراً تعاقب کے لیے دوڑ پڑے، ابوسفیان کو صحابہ کرامؓ کے تعاقب میں چل پڑنے کی خبر ملی تو بہت گھبرائے، اور کھانے پینے تک کا سامان پھینک کر جان بچانے کے لیے تیزی سے بھاگ چلے، ابوسفیان اب تک کافر تھے، اور آنحضرت ﷺ کے سخت ترین دشمن۔

جوش وخروش کا دہکتا جہنم

مکہ میں برابر مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا ہو رہا تھا، اور پورا مکہ انتقام، انتقام کی آواز سے گونج رہا تھا، یہاں دو مشہور شاعر عمرو جُمحی اور مسافع قبائل عرب میں گھوم گھوم کر جوش پیدا کر رہے تھے، اور اپنی آتش بیانی سے مسلمانوں کے خلاف آگ بھڑکا رہے تھے۔

اب کی مرتبہ کافر عورتوں میں بھی بے پناہ خوش وخروش تھا، اور یہ بھی مردوں کے دوش بدوش لڑائی میں شرکت کرنے کے لیے آمادہ اور پابرکاب تھیں، جس کا مطلب تھا کہ قریش عورتوں کے عار دلانے پر میدان کارزار میں جان کی بازی لگا دیں گے۔ ایک ایک کر کے قتل ہو جانا گوارا کریں گے مگر پیٹھ نہ دکھائیں گے۔

اس جوش وخروش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کا بچہ بچہ مرنے کو آمادہ ہو گیا اور سارا عرب جوش و غضب کا ایک دہکتا جہنم بن گیا۔

منافقین کی غداری

آنحضرت ﷺ کو اس وقت خبر ملی جب قریش اپنی بے پناہ جمعیت کے ساتھ آمادۂ جنگ سربکف چل پڑے، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو فوراً طلب کیا اور اس ناگہانی مصیبت کے متعلق مشورہ طلب کیا، سبھوں نے مقابلے کا مشورہ دیا، بعجلت تمام جو کچھ سامان کر سکتے تھے، آپ ﷺ نے کیا، اور ایک ہزار کی جمعیت لے کر کافروں کی مدافعت کے لیے نکل پڑے، ابھی کچھ ہی دور آئے تھے کہ عبداللہ بن ابی حیلہ بہانہ کر کے تین سو کی تعداد لے کر واپس ہو گیا، جس کا مقصد مخلص مسلمانوں میں انتشار اور برہمی پیدا کرنا تھا، لیکن مخلص مسلمان منافقین کی اس چال سے متاثر کیوں ہوتے، بچے کھچے سات سو مسلمان آگے بڑھے اور میدان کارزار میں مقابلے کے لیے پہنچ گئے۔

اسلام اور کفر کی معرکہ آرائی

دونوں طرف سے غضب کا رن پڑا، اہل مکہ جگر کھول کر لڑ رہے تھے، پھر بھی مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، بلکہ یہ میدان جیت چکے تھے، لیکن جو لکھا تھا اس کو کون مٹا سکتا تھا، مسلمانوں سے ایک بڑی جنگی غلطی ہوگئی۔

آنحضرت ﷺ نے پچاس آدمیوں کا ایک دستہ ایک گھاٹی کے منہ پر مقرر کر دیا تھا، اور تاکید فرمادی تھی کہ کسی حال میں یہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں، خواہ ہماری شکست ہو یا جیت، مگر مسلمانوں کو شروع میں جب کامیابی ہوئی تو ان لوگوں نے یہ جگہ چھوڑ دی، اور ایک شخص کے سوا جو قیادت کر رہے تھے کوئی اپنی جگہ نہ رہا۔

اس عدول حکمی اور ہدایت نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافروں کو موقع مل گیا۔ وہ گھاٹی کے راستے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اور اس شدت سے حملہ کیا، کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور رحمت عالم ﷺ کفار کے نرغہ میں گھر گئے۔

سرور کائنات ﷺ نرغۂ کفار میں

پھر کیا ہوا، آہ قلم لکھنے سے تھراتا ہے، کفار ہادی اعظم ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اس ناگہانی حملے نے صحابہ کرامؓ کو ایسا بدحواس کر دیا کہ ان کو اس وقت ہادی اعظم ﷺ کی حفاظت کا خیال نہ رہا، جو جس طرف تھا ادھر ہی سے بھاگ کھڑا ہوا۔ صرف دس بارہ آدمی میدانِ کارزار میں ثابت قدم رہ گئے اور فدویت وجاں نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھانے لگے تھے، خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی اور ہزاروں کفار صرف ایک مقدس ہستی ﷺ کو فنا کر دینے کے لیے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے۔

کوئی شبہ نہیں کہ جو چند صحابہ کرامؓ تھے وہ جمال نبوت پر پروانہ وار نثار ہو رہے تھے، اور کفار کے مقابلہ میں اپنی جان سے بے خبر سینہ سپر تھے، صرف اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو حیرت انگیز جانبازی سے مدافعت کے فرائض انجام دے رہے تھے ان کے جسم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ستر سے زیادہ زخم شمار کیے تھے۔

مگر بایں ہمہ رحمت عالم ﷺ کی جبین انور زخمی ہوگئی، خُود کی کڑیاں اس طرح دھنس

گئی تھیں کہ ان کے نکالنے میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دانت شہید ہوگئے، گو ان کے نکالنے میں وہ کامیاب رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے خون کا فوارہ بہہ پڑا، چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم پر بٹھایا گیا تب جا کر کہیں خون بند ہوا، اسی غزوۂ اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔

اُسوہ حسنہ

یہ سارا غم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے اٹھایا کہ اسلام کا نام باقی رہے اور یہ پھیل کر انسانوں کو ظلم وجور کے سمندر سے ڈوبنے سے بچائے، اوران کو انسانیت اور صلح وآشتی کا سبق پڑھائے۔

زبانِ قلم پر جو بات بے ساختہ آ رہی ہے، اس کو کیسے روکوں، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آج سب کو اس دین کی عزت ورفعت اس کے وقار کا کسی نہ کسی درجہ میں خیال ہے۔ اگر اس طرف دھیان نہیں تو ان لوگوں کو جو اپنے کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں میں شمار کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمۂ عظیم

اسی غزوہ میں اسلام کے بہادر، جرنیل اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہربان چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش جاں فرمایا، وحشی کی تلوار سے شہید ہوئے، جو بعد میں جا کر مسلمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے اس بہادر کی شہادت کا اتنا غم ہوا، کہ زندگی بھر اس غم میں پیچ وتاب کھاتے رہے، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی تم سامنے آجاتے ہو، مرحوم چچا کی یاد ستانے لگتی ہے۔

اس غزوہ میں یہ دردناک حادثہ بھی پیش آیا، کہ خواتین قریش نے شہداء کرام کا مُثلہ کیا، یعنی شہیدوں کے ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ان کی صورت کو بگاڑ ڈالا، اور ہندہ نے جو اس وقت کافرہ تھیں، شقاوت کی انتہا کر دی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کلیجی نکال کر چبا[1] لی، مگر وہ نگل نہ سکیں اور ان کو اگل دینا پڑا۔

(۱) اسی لڑائی میں ہندہ جگر خوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی زد میں آچکی تھیں مگر یہ کہہ کر ان کے سر سے انھوں نے اپنی تلوار اٹھالی کہ اسلام عورتوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔

اس غزوہ میں رحمت عالم ﷺ نے بڑی اذیت برداشت کی، بڑا غم اٹھایا، اور اس غزوہ کی یاد نے عرصہ تک آپ ﷺ کو اشکبار رکھا۔ ایک دفعہ عرصۂ دراز کے بعد ادھر سے آپ ﷺ کا گزر ہوا، تو اس لڑائی کی یاد نے آپ ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری کر دی۔

اور یہ ساری کیفیت کیوں نہ طاری ہوتی کہ اس غزوہ کے بعد پورے مدینہ کو آپ ﷺ نے سوگوار دیکھا تھا، جس طرف سے گزرتے تھے رونے پیٹنے کی آواز آتی تھی، معلوم پڑتا تھا پورا شہر ماتم کدہ بنا ہوا ہے، اور بلاشبہ مسلمانوں کو اس میں کافی نقصان پہنچا تھا۔

اسلام کے استیصال کی فکر

نبی کریم ﷺ پر ایک وقت وہ بھی بڑا صبر آزما اور سخت آیا جب یہودیوں نے قریش سے مل کر سازش کی، اور پھر سارے قبائل عرب کو اسلام کے خلاف لڑنے اور مرنے کے لیے تیار کیا، اور مل ملا کر سب نے طے کر لیا کہ اسلام اور مسلمانوں کا اس بار استیصال کر دیا جائے، اور چوبیس ہزار سے زیادہ کی تعداد میں دشمنانِ رسول ﷺ مدینہ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر صحابہ کرامؓ کو بلا کر مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عاشقِ رسول ﷺ نے خندق کھودنے کی رائے دی جو قبول و منظور کی گئی۔ رحمت عالم ﷺ نے مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودنے کا سامان کیا، اور تین ہزار مسلمانوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر بیس دن میں اسے تیار کیا۔

اس خندق کی کھدائی میں خود سرور کائنات ﷺ بھی مزدوروں کی طرح مصروف عمل رہے، ایک طرف فاقہ کی تکلیف، دوسری طرف خندق کی کھدائی، اللہ اللہ عجیب دل گداز اور سوز و ساز کا منظر تھا، صحابہ کرامؓ کے پیٹوں پر بھوک کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھے ہوئے تھے تو رحمت عالم ﷺ کے شکم مبارک پر دو پتھر۔

آج ایک ہستی کو فنا کرنے کے لیے پورے عرب میں جوش و خروش ہے بلکہ سب کے

سب مسلح ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑے ہیں اور پھر کیا ہوا؟ کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس ٹڈی دل لشکر نے مدینہ کو گھیر لیا، اور سب نے مصمم ارادہ کر لیا کہ آج اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مٹا کر ہی سانس لیں گے۔

مسلمانوں کی حالت

مسلمانوں کی اس وقت عجیب حالت تھی، ایک اللہ کے سہارے کے سوا کوئی دوسرا سہارا باقی نہ رہا تھا۔ قرآن پاک نے اس نازک وقت کا جو نقشہ کھینچا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں اور پھر مسلمانوں اور خود آنحضرت ﷺ کی پریشانیوں کا اندازہ لگائیں۔ قرآن کہتا ہے:

> ''اس دن کو یاد کرو کہ جب دشمن تم پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اوپر کی طرف سے بھی، اور نشیب کی جانب سے بھی، اور آنکھیں خیرہ ہونے لگیں، کلیجہ منہ کو آنے لگا، اور تم اس منظر کو دیکھ کر خدا کے متعلق طرح طرح کے خیال کرنے لگے کہ دیکھیں آج خدا کیا کرتا ہے، یہ مسلمانوں کے امتحان کا موقع ہو گیا، اور مسلمان زور زور سے لرزنے لگے۔'' (الاحزاب:۱)

مصیبتوں کی بوچھاڑ

جس زمانہ میں غزوۂ احزاب (خندق) پیش آیا ہے سخت سردی کا موسم اور کھانے پینے کی انتہائی تکلیف کا زمانہ تھا۔ پھر یہود جنھوں نے آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیا تھا ٹھیک وقت پر غداری سے پیش آئے، منافقین کی غداری کا بھی یہی حال رہا، اس وقت مسلمان دو دشمنوں کے بیچ میں گھر گئے، ایک طرف یہود بنو قریظہ کی آبادی تھی، دوسری طرف کفار مکہ کا یہ لشکر جرار۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خطرہ، بھوک اور جاڑے کی شدت نے لوگوں کو اتنا بدحواس کر دیا تھا کہ ایک رات آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ اعلان کیا، کہ ہے کوئی جنت کا طلب گار جو باہر جا کر دشمنوں کی خبر لائے؟ مگر کسی نے بھی اس آواز پر لبیک نہ کہا، اب آنحضرت ﷺ نے نام لے کر مجھ کو بلایا، تو میں تعمیلِ حکم میں نکلا اور پتہ لگا کر واپس

آیا، جس سے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے (۱)۔

کافروں کا یہ محاصرہ بیس پچیس دن تک رہا، آخر اللہ تعالیٰ کو رحم آیا اور ایک رات سخت آندھی آئی، جس سے دشمنانِ اسلام گھبرا اُٹھے، اور سردی نے ان کے پاؤں اکھاڑ دیے، اور اس طرح دشمن کا محاصرہ ختم ہوا اور مسلمانوں کو اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کا تذکرہ قرآن پاک میں اس طرح کرتے ہیں:

''مومنو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب فوجیں تم پر ٹوٹی پڑیں تھیں، تو ہم نے تمہاری مدد کے لیے آندھی اور اس لشکر کو بھیجا جس کو تمہاری آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔'' (۲)

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی زیادتی

صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی کافروں نے آنحضرت ﷺ کو کچھ کم تکلیف نہ پہنچائی، مدینہ سے ایک جماعت کے ساتھ چل کر آپ ﷺ جب مکہ کے قریب کعبۃ اللہ کی زیارت کے لیے پہنچ چکے، تو دفعتہً کفار مکہ نے دخیل بن کر آپ ﷺ کا راستہ روک لیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے ایک صحابی خراش رضی اللہ عنہ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا، اور خاص اپنی سواری پر بھیجا تاکہ صلح کے متعلق معاملہ طے کریں، لیکن قریش نے یہ ظلم کیا کہ جس اونٹنی (ناقۃ النبی) پر خراش رضی اللہ عنہ سوار ہو کر گئے تھے، اس کو مار ڈالا، اور خود حضرت خراش رضی اللہ عنہ ''قاصد رسول'' کو بھی قتل کر ڈالنے کا ارادہ کر لیا لیکن قبائل کے لوگوں نے ان کی جان بچائی۔

اسی صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رحمت عالم ﷺ کی طرف سے جب پیام لے کر مکہ پہنچے، تو اہل مکہ نے یہ زیادتی اور ظلم کیا کہ ان کو گرفتار کر لیا، اور مشہور کر دیا کہ ان کو شہید کر دیا گیا، جس سے متاثر ہو کر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وہ تاریخی بیعت لی جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے، اور جو بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔

پھر صلح نامہ جب مرتب کیا جانے لگا تو جن نامناسب شرائط پر کفار نے اصرار کیا، وہ تو کیا ہی، ظلم یہ کیا کہ صلح نامہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے روکا، اور اپنی اسی ضد پر وہ

---

(۱) تفسیر خازن، جلد ۳، ص ۴۵۷ (۲) الاحزاب۔ ۱

مُصِر رہے، آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ ''رسول اللہ ﷺ'' کا لفظ لکھا جا چکا تھا، مگر انھوں نے اس کے مٹانے کے لیے اصرار کیا، اور اس وقت تک صلح نہ کی، جب تک ''رسول اللہ ﷺ'' کا لفظ مٹوا نہ لیا۔

زہر کے ذریعے قتل نبی ﷺ کی کوشش

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے آنحضرت ﷺ اور چند صحابہ کرامؓ کی دعوت کی، جس کو آپ ﷺ نے قبول فرما لیا، مگر اس ظالم یہودیہ نے یہ کارروائی کی، کہ کھانے میں زہر ملا دیا، تاکہ آپ ﷺ کی ذات بابرکت سے رُوئے زمین کو محروم کر دیا جائے، وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا کہ آپ ﷺ کو اس مہلک موقع پر اپنے امن وامان میں رکھا، اور یہودیہ کو اپنے ناپاک مقصد میں ناکامیاب کیا، مگر بعض صحابہ کرامؓ کے لیے یہی زہر مہلک ثابت ہوا۔ بعد میں اس عورت کو بلا کر آپ ﷺ نے زہر کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے اپنے اس جرم کا اعتراف کر لیا۔

تیروں کی بارش

خیبر سے واپس ہوتے ہوئے وادی القریٰ کی طرف چلے ہی تھے کہ یہود نے اچانک تیروں کی بارش شروع کر دی، یہ الگ بات ہے کہ رب العالمین نے اس موقع پر بھی آپ ﷺ کو اپنی حفاظت میں رکھا، مگر پھر بھی آپ ﷺ کا غلام (مدعم) یہود کے تیروں سے زخمی ہو کر شہید ہوا۔

فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن وثقیف نے منظم ہو کر پھر ایک مرتبہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مٹا دینا چاہا، اطلاع ملی تو آنحضرت ﷺ مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور اس طرح مقام حنین میں دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی۔

دشمنوں نے پہاڑ میں چھپ کر اسلامی لشکر کو اپنے حلقے میں لے لیا اور کفار مکہ یکبارگی ان پر ٹوٹ پڑے، صحابہ کرام شروع میں بدحواس ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو تلوار لے کر میدان میں بذات خود اترنا پڑا، ورنہ نہ معلوم یہ دشمنانِ اسلام کیا کیے ہوتے۔

ایک لاکھ دشمن

غزوۂ موتہ کے سلسلے میں ایک لاکھ کی تعداد میں دشمن جمع ہوئے اور اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ کو مٹا دینا چاہا، اس جم غفیر کا صرف تین ہزار صحابہ کرام کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے مقابلہ کیا، صحابہ کرامؓ بڑی بے جگری سے لڑے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو اسلام کے ایک بے نظیر نڈر جرنیل تھے اسی غزوہ میں شہید ہوئے، آپ کو حیرت ہوگی کہ صرف اس ایک بہادر اسلامی جرنیل کے بدن پر تلوار اور برچھیوں کے نوے (۹۰) زخم تھے اور سب کے سب سینے کی طرف تھے، ایک بھی پشت کی طرف نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ ﷺ پر اداسی چھا گئی۔

شاہ ایران اور قیصر روم کا ارادۂ بد

وسط ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ شام کا بادشاہ قیصر روم کی امداد سے حملہ آور ہونے والا ہے، یہ خبر کوئی معمولی خبر نہ تھی، دو عظیم الشان بادشاہوں کا مل کر یکبارگی حملہ کر دینا بڑی خطرناک صورتیں پیدا کر سکتا تھا، اس لیے سرکار کائنات ﷺ کا تشویش میں مبتلا ہو جانا بجا تھا، پھر آفت یہ تھی کہ یہ قحط کا سال تھا، موسم سخت گرم اور سفر دشوار تر تھا، ایک طرف دو مالدار بادشاہوں کا ٹڈی دل لشکر، دوسری طرح گنے چنے چند فاقہ مست اور بے سر و سامان مسلمان، اللہ کے راستے میں لڑنا نہ ہوتا تو شاید ایسی حالت میں کوئی بھی تیار نہ ہوتا، یہ تو جہاد فی سبیل اللہ کا نام تھا جوان کو ہر وقت سر بکف رکھتا تھا۔

مسلمانوں کی بے سروسامانی کا عالم

نبی کریم ﷺ کو بڑی فکر لاحق ہوئی کہ جہاد کا سامان کیونکر کیا جائے، قحط سالی کی وجہ سے چندے کی اپیل کرنی پڑی تا کہ مدافعت اور مقابلے کا سامان فراہم کیا جائے، دولت مند صحابہ کرامؓ نے اس سلسلے میں جی کھول کر حصہ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار (اشرفی) تین سو اونٹ مع لوازمات اور پچاس گھوڑے، خدمت نبوی ﷺ میں پیش کیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی کل مالیت اور

اثاثہ کا آدھا دربار نبوی ﷺ میں حاضر کر دیا، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو سراپا عشق ومحبت اور سوز وساز ہی تھے ان کا کیا کہنا، اپنا سارا مال ومتاع اور اثاثہ رحمت عالم ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا، بال بچوں کے متعلق حضور ﷺ نے پوچھا کہ ان کے لیے کیا چھوڑا تو اس جان نثار نے فرمایا، اللہ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہے...... عورتوں نے اپنے زیورات اتار اتار کر اس موقع پر دیے۔

اور اس طرح جیسے تیسے سامان کر کے رحمت عالم ﷺ مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ چودہ منزل طے کر کے تبوک پہنچے، مگر رب العالمین نے اپنا فضل فرمایا، جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور دشمنانِ اسلام آپ ﷺ سے خوف زدہ ہو گئے اور بالآخر جزیہ دے کر صلح کرنے پر مجبور ہوئے، جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔

ایک بدو تلوار لے کر قتل نبی ﷺ کے لیے آمادہ

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام غزوہ سے واپس ہو رہے تھے، کہ دوپہر کی تپتی ہوئی دھوپ میں سایہ کی ضرورت محسوس ہوئی، درختوں کا جھنڈ دیکھ کر ایک جگہ سب کے سب استراحت کے لیے اتر پڑے، صحابہ کرامؓ مختلف درختوں کے سایہ میں آرام کے لیے منتشر ہو گئے اور ایک درخت کے نیچے سرکار دو عالم ﷺ نے آرام فرمایا، آپ ﷺ اپنی تلوار درخت سے لٹکا کر لیٹ گئے، ایک بدو جو اسی تاک میں تھا، وہ آیا اور تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا، بتاؤ محمد ﷺ! تم کو اس وقت میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے بڑے اطمینان سے فرمایا "اللہ"، اس پُر جلال آواز نے بدو کے ہاتھ میں کپکپی پیدا کر دی اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی[1]۔

اَسّی آدمیوں کا ایک خونخوار دستہ قتل نبی ﷺ کی گھات میں

فتح مکہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ اسی آدمیوں کا ایک دستہ قتلِ نبی ﷺ کے لیے تیار ہوا، اور سویرے اندھیرے منہ جبل تنعیم سے اترا اور گھات میں بیٹھ گیا کہ موقع پا کر آپ ﷺ کو قتل کر ڈالے، مگر اللہ کا کرنا وہ لوگ گرفتار ہو گئے، اور اس طرح رب العالمین نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو بچا لیا[2]۔

(۱) ریاض الصالحین، باب التوکل (۲) سیرۃ النبی، ص ۳۰۱، ج ۲

قتل نبی ﷺ کا عزم

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں ہر جگہ سے وفود آنے لگے، اور آپ ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام وایمان کی بیعت کرنے لگے، اسی زمانہ میں بنو عامر کا قبیلہ بھی خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ اس وقت تین رئیس اس قبیلے میں بڑی شہرت کے مالک تھے، عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی، ان میں پہلے دو یعنی عامر اور اربد نے باہم طے کیا کہ ہم لوگ مدینہ چلیں اور آخری نبی ﷺ کو اپنے فریب میں لائیں اور موقع پاکر آپ ﷺ کی گردن اڑا دیں۔

عامر اور اربد قتل نبی ﷺ کے عزم سے آپ ﷺ کے روبرو

طے یہ ہوا کہ عامر بن طفیل آنحضرت ﷺ کو باتوں میں مشغول کرے، اور اربد بن قیس ننگی تلوار لیے تاک میں رہے، اور جونہی دیکھے کہ آپ ﷺ عامر کی باتوں میں غافل ہوگئے، اربد، عامر کا اشارہ پاتے ہی باز کی طرح جھپٹے، اور آپ ﷺ کا کام تمام کر دے..... اس اسکیم کے تحت دونوں مدینہ پہنچے، اور عامر نے حاضر خدمت ہو کر باتوں میں پھنسانے کے لیے آپ ﷺ سے کہا: محمد! تین باتیں ہیں:

اول یہ کہ اہل بادیہ پر تمھاری حکومت ہو اور ان کے حکمران تم بنو، اور شہر والے میری حکمرانی میں رہیں اور ان کا سلطان میں بنوں۔

ثانیاً اگر تم کو پہلی بات منظور نہ ہو تو اپنے بعد اپنا جانشین مجھ کو منتخب کر جاؤ، تاکہ تمھارے بعد تمھاری جگہ مجھے بخشی جائے۔

ثالثاً اگر تم کو یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر میں قبیلۂ غطفان کو لے کہ تم پر حملہ کروں گا۔

عامر بن طفیل اپنے خیال میں نبی کریم ﷺ کو اس طرح اپنی باتوں میں الجھا رہا تھا، چنانچہ اس نے محسوس کیا کہ آپ ﷺ ان باتوں میں اپنی ذات سے غافل ہو چکے ہیں تو وہ بڑی بے چینی سے اربد اپنے ساتھی کا انتظار کرنے لگا کہ وہ اٹھ کر جلدی سے آنحضرت ﷺ پر وار کر دے، مگر عامر نے خلاف توقع اربد کو دیکھا کہ وہ بے حس وحرکت بت بنا کھڑا ہے، ٹس سے مس نہیں ہوتا، اسے سخت حیرت ہوئی کہ سوچی سمجھی اسکیم

پر کیوں عمل نہیں کر رہا ہے، آخر عامر کی گفتگو ختم ہوگئی، اور پھر وہ دونوں ساتھی وہاں سے اٹھے اور چلتے بنے، راستہ میں عامر نے اربد سے پوچھا، یار آخر تم کو کیا ہوگیا تھا کہ تم مبہوت کھڑے رہ گئے اور اسکیم کے مطابق وار نہیں کر سکے؟ اربد نے جواب دیا کہ کیا بتاؤں ان کو دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہوگیا، اور ان کے جاہ وجلال نے میرے دل میں خوف پیدا کر دیا(۱)۔

غزوۂ تبوک سے واپسی اور منافقین قتل نبی ﷺ کے عزم سے سر پر

اسی طرح ایک دفعہ منافقین نے آپ ﷺ کو مار ڈالنا چاہا، غزوۂ تبوک سے آنحضرت ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں منافقین نے باہم کر طے کر لیا کہ راستے میں جو گھاٹی پڑتی ہے وہاں پہنچ کر دفعتہً آپ ﷺ کا کام تمام کر دیا جائے، نبی کریم ﷺ جب اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بطن وادی میں بہت کشادہ راستہ ہے ادھر سے چلو۔'' اور خود آپ ﷺ نے گھاٹی والا راستہ اختیار فرمایا۔

منافقین نے جن کی نیتوں میں شر تھا، وادی والا راستہ اختیار نہ کیا بلکہ گھاٹی ہی والے راستے سے چل کر اپنی اسکیم پر عمل کرنا چاہا، آپ ﷺ نے اپنے ساتھ دو صحابہ کو لے لیا تھا، ایک حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو، عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نکیل تھام لو اور آگے آگے چلو، اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم برابر ناقہ کے پیچھے پیچھے چلنا، اور اس کو ہنکاتے چلنا، آپ ﷺ کو منافقین کے پیش آنے والے مکر وفریب کی خبر مل چکی تھی۔

اسی احتیاط کے ساتھ پہاڑی راستہ سے روانہ ہوئے، خطرناک مقام پر جونہی حضور ﷺ پہنچے چند نقاب پوش دندناتے آتے ہوئے نظر پڑے، آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے تیز آواز میں فرمایا، حذیفہ! جو لوگ بیباکی سے آرہے ہیں ان کو واپس ہونے پر مجبور کرو، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس آواز نبوی ﷺ کو سن کر ہوشیار ہوگئے، جم کر راستہ روک لیا، اور ڈانٹ کر کہا خبردار تم آگے نہیں بڑھ سکتے، راستے کی تاریکی، پھر

(۱) سیرۃ النبی، ص۴۲، ج۲

چہرے پر نقاب، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کچھ سمجھ نہ سکے مگر انھوں نے ان کو مار مار کر واپس ہونے پر مجبور کر دیا اور اس طرح سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے حملے سے محفوظ رہ گئے۔

ادھر ان نقاب پوش منافقوں نے سمجھا کہ راز فاش ہو گیا اور پھر ڈر کر تیزی سے بھاگے، اور قافلۂ مجاہدین سے جا ملے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب منافقوں کو پھیر کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں واپس ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حذیفہ رضی اللہ عنہ! سواری کو تیزی سے ہانکے چلو اور عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا تیزی سے نکیل کھینچے چلو، پہاڑی راستہ طے کر کے جب نکل آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے کچھ سمجھا کون لوگ تھے، ان میں سے کسی کو پہچانا؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نفی میں جواب دیا، اور کہا بعض سواروں کو البتہ میں پہچان سکا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، تم کو معلوم ہے کس نیت سے آ رہے تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ علم نہیں، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ سارے منافقین تھے، اس نیت سے آ رہے تھے کہ گھاٹی میں پہنچ کر مجھ کو گھاٹی میں ڈال دیں، تاکہ میرا کام تمام ہو جائے، خادموں نے کہا، حضرت حکم ہو، تو ان کی گردنیں ماردی جائیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مجھے کسی طرح پسند نہیں، لوگوں میں یہ پروپیگنڈا چل پڑے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرح کا برا سلوک کرتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کا ایک ایک کر کے نام بتایا مگر ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ ان ناموں کو ظاہر نہ کرنا[1]۔

اس طرح کے جتنے واقعات پیش کیے گئے ہیں ان کو غور و فکر کے ساتھ پڑھیں اور سوچیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں نے، یہودیوں اور منافقوں نے کس طرح مٹانے کی جدوجہد کی، اور کیسی کیسی ناپاک تدبیریں سوچیں اور ان پر عمل کیا، لیکن رب العالمین جس کو رکھنا چاہے اس کو کون فنا کر سکتا ہے، ساتھ ہی غور کیجیے کہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک ہی سے پیش آئے اور برائی کا جواب نیکی ہی سے دیا۔

---

(۱) زاد المعاد لابن قیم، ص ۸، جلد ۳

اُسوہ حسنہ

آج مسلمان ذرا سی مصیبت سے گھبرا اٹھتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے، کہ مصائب وآلام کی چکی میں پس کر ہی کوئی رنگ لاتا ہے، اگر مسلمانوں نے اپنے رب کو خوش رکھا تو پھر سارے جہان کی عداوت ہیچ ہے، ہمیں اپنے عقائد ومعاملات اور اخلاق واعمال پر نظر رکھنی چاہیے، اور اگر کوئی ناگہانی مصیبت پیش آجائے تو اس کا ایک جواں مرد کی طرح اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے مقابلہ کرنا چاہیے لیکن اس طرح نہیں کہ اپنا ہاتھ پاؤں توڑ لیا جائے، اور دوسروں پر تکیہ لگا رکھا جائے، رحمت عالم ﷺ کی زندگی ہمیں سبق دیتی ہے کہ موقع آجائے تو ایک جری سرفروش کی طرح ہم میدان عمل میں کود پڑیں اور عقل وفہم اور سنجیدگی ومتانت سے دشمنوں کا مقابلہ کریں، مصائب وآلام کی کثرت دیکھ کر مایوس ہونا حرام ہے بلکہ اس وقت خودداری اور غیرت وحمیت سے کام لے کر اپنا مقام پیدا کرنا چاہیے، رب العالمین مدد فرمائے گا اس کا وعدہ ہے:

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾(محمد۴۷:۷)

آنحضرت ﷺ پر پتھر گرانے کی کوشش

قبیلہ ''بنونضیر'' ایک یہودی قبیلہ تھا، ان پر خون بہا واجب الادا تھا، آنحضرت ﷺ اس کے مطالبے کے لیے یہودیوں کے یہاں تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے اس مطالبے کو منظور تو کیا، مگر دراصل وہ دھوکہ دے کر سرکار کائنات ﷺ کے ظلِ رحمت سے دنیا کو محروم کر دینا چاہیے تھے، آپ ﷺ وہاں پہنچ کر ایک بالا خانہ کے نیچے کھڑے تھے کہ ایک یہودی چپکے سے بالا خانہ پر چڑھ گیا، اور اس نے چاہا کہ آپ ﷺ پر ایک بھاری پتھر اوپر سے گرا دے جس کے نیچے دب کر آپ ﷺ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں، لیکن قدرت نے رحم فرمایا، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی اور فوراً وہاں سے واپس چل کھڑے ہوئے۔

یہودیوں کی زیادتی

ایک دفعہ ایک یہودی نے ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی، وہ مدد کے لیے چلائیں اور شور وغل کیا، ایک مسلمان نے سنا تو وہ دوڑ پڑے، یہودی کی شرارت دیکھ کر ان کو غصہ آ گیا، چنانچہ اسی غیرت میں یہودی کو قتل کر ڈالا، پھر کیا تھا سارے یہودی ان پر ٹوٹ پڑے اور سبھوں نے مل کر ان کو قتل کر ڈالا، آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فوراً موقع پر پہنچے، اور یہودیوں کو فہمائش کی اور فرمایا زیادہ شرارت مُضر ہوتی ہے، کفار کو اسی شرارت کا نتیجہ بدر میں بھگتنا پڑا۔

یہودی اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کے بجائے شوخی وگستاخی پر اتر آئے، اور آپ ﷺ سے کہنے لگے، سن لیجیے ہم مکہ کے کافر نہیں ہیں، ہم سے واسطہ پڑا تو آپ ﷺ کو بتا دیں گے، پھر اس کے بعد یہودیوں کی شرارتیں بڑھتی ہی گئیں، اس معاہدہ کا بھی لحاظ نہیں رہا، جو انھوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا تھا۔

رحمت عالم ﷺ نے محسوس کیا کہ یہودیوں کی نیت بخیر نہیں، اگر ابھی سے ان کی سرکوبی نہیں کی گئی تو یہ دشمنانِ اسلام آگے چل کر مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں گے، چنانچہ آپ ﷺ نے یہودیوں کا مقابلہ کیا، اب یہودیوں کو ہوش آیا، اور معلوم ہوا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں اور نتیجہ کے طور پر ان کو جلا وطن ہونا پڑا۔

کافروں کا تعاقب

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ ﷺ واپس ہو رہے تھے کہ کافروں نے تعاقب کیا، آپ ﷺ منزل پر فروکش ہوئے تو دریافت فرمایا آج کون اپنے اوپر میری حفاظت کی ذمہ داری لے گا، ایک انصاری اور مہاجر نکل کر آئے اور انھوں نے کہا، ہم لوگ یارسول اللہ ﷺ!(۱)

دشمنانِ رسول ﷺ سر پر

غزوۂ حنین کے لیے ایک صحابی نے شام کے وقت خبر دی، کہ میں نے آگے جا کر

---

(۱) اسوہ صحابہ بحوالہ ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب الوضوء من الدم

پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قبیلۂ ہوازن کے مرد وزن چار پایوں اور مویشیوں کو لے کر امنڈ آئے ہیں، یہ سن کر آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا آج میری پاسبانی کون کرے گا؟ حضرت انسؓ بن ابی مرثد غنویٰ نے کہا میں یارسول اللہ ﷺ!(۱)

آنحضرت ﷺ پر جادو

لبید بن الاعصم یہودی نے ایک مرتبہ جادو کیا، اس جادو کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ بیمار ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا، جادو کا سارا راز آپ ﷺ پر منکشف ہوگیا اور جو اثر تھا وہ جاتا رہا(۲)۔

مکتوب رسول ﷺ کی بے حرمتی

رحمت عالم ﷺ نے شاہان عالم کی اسلام کو دعوت کے سلسلے میں خطوط روانہ کیے، اسی موقع پر کسریٰ فارس کی خدمت میں بھی دعوت اسلام کا گرامی نامہ روانہ کیا، قاصد رسول اللہ ﷺ جب کسریٰ فارس کی خدمت میں ''مکتوبِ رسول ﷺ'' لے کر حاضر ہوا، تو جونہی اس کی نگاہ 'من رسول اللہ' کے الفاظ پر پڑی، غصے سے بے تاب ہو کر چلانے چیخنے لگا اور نامۂ مبارک کو پھاڑ ڈالا...... پھر اپنے سپہ سالار باذان کو لکھا، مکہ میں ایک قریشی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس کے پاس جلد پہنچو، اور اس سے کہو کہ وہ اپنے دعویٰ سے توبہ کرے، اگر توبہ کرلے تب خیر، ورنہ اس کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو(۳)۔

اُسوہ حسنہ

تاریخ شہادت پیش کرتی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ان تمام نازک مرحلوں کو صبر واستقلال اور ثابت قدمی سے گزار لیا، اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمہ تن جوں کا توں لگے رہے، جس کا ثمر یہ ملا کہ رب العالمین نے اسلام کو سر بلند کیا، اور پیغمبر اسلام ﷺ کے نام کا بول بالا کر دیا، ہم خستہ دل مسلمانوں کے لیے ان تاریخی حقائق میں درس عبرت ہے، کاش ہم اسے اپنانے کی جدوجہد کریں۔

---

(۱) اسوہ صحابہ بحوالہ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فضل الحرس فی سبیل اللہ

(۲) تفسیر مظہری، ص ۳۷۶، جلد۱۰ (۳) سیرت حلبیہ (الی کسری فارس)

رحمتِ عالم ﷺ کا فقر وفاقہ اور اس سلسلے کی اذیتیں

آنحضرت ﷺ کی گھریلو زندگی غمگین تھی، فقر وفاقہ سے آپ ﷺ کا رات دن کا واسطہ تھا، کھانے پینے، رہنے سہنے اور پہننے اوڑھنے میں آپ ﷺ کی زندگی ایک معمولی انسان کی سی تھی، یعنی مالی حالت کبھی خوب ٹھوس نہ رہی، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے تاوفات گھر میں دونوں وقت مسلسل کبھی جو کی بھی روٹی آسودہ ہو کر کھائی ہو، ایسا دن نہ گزرا، اور یہی حالت پورے گھر والوں کی تھی۔

آنحضرت ﷺ کی غذا

ترمذی کی روایت ہے کہ سرکار کائنات ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والے اس طرح مسلسل کئی راتیں گزار دیتے تھے کہ کھانے کو کچھ موجود نہ ہوتا تھا، اگرچہ آپ ﷺ کی غذا عموماً جو کی روٹی ہی تھی، لیکن وہ بھی کھانے کو نہ ملتی تھی (۱)۔

خود آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جتنا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، کوئی بھی نہیں ڈرتا، اللہ کے راستے میں جس قدر تکلیف مجھے دی گئی، مجھ سے پہلے کسی کو ایسی تکلیف نہ دی گئی، مجھ پر تیس تیس دن گزر گئے، لیکن میرے اور بلالؓ کے لیے اس سے زیادہ کھانا میسر نہ

(۱) جمع الفوائد، ص ۲۷۴، جلد ۲

ہوا، کہ اگر بلال اس کو اپنی بغل میں چھپا لینا چاہتے تو وہ چھپ جاتا[1]۔

ازواج مطہراتؓ کی غذا

خدمت نبوی ﷺ میں ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے اپنی روداد غم سنائی، جس کا منشاء تھا کہ اس کو کہیں سے کچھ کھلایا جائے، گویا مہمان بن کر آیا، آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی خدمت میں خبر دی کہ کھانے کی کوئی چیز ہو تو بھیجو، تا کہ اس مہمان کو کھلایا جائے، مگر ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مجبوراً اعلان کرنا پڑا، تو ایک انصاری نے اس مہمان کو کھلایا مگر کس طرح؟ کہ جب انصاری نے اپنی بیوی سے مہمان کا تذکرہ کیا تو اس غریب نے گھر کا حال سنایا کہ خدا کی قسم میرے گھر میں بچوں کے لیے جو تھوڑا سا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں، بالآخر رات میں بچوں کو بہلا کر سلا دیا گیا اور ان کا کھانا مہمان کو کھلایا گیا[2]۔

ان حدیثوں سے اندازہ لگائیں کہ سید الکونین ﷺ کی مالی حالت کیسی تھی۔ شاید اس کے ذریعے دنیا اور امت کو سبق دینا تھا کہ جو ذمہ دار اور قوم کا سردار ہوتا ہے اس کے گھر میں فاقہ ہونا چاہیے تا کہ دوسرے غریبوں کو تسکین ہو۔

شہیدوں کے لیے کفن کی کمی

غربت وافلاس کا یہ عالم تھا کہ جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو آنحضرت ﷺ کے پاس اتنا سامان نہ تھا کہ ان کو پورا کفن دیتے، ان کی ایک کملی تھی، اسی کو کفن بنایا گیا مگر اس طرح کہ سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، آخر آپ ﷺ کے حکم سے پاؤں کو اذخر نامی گھاس سے چھپایا گیا[3]۔

(۱) جمع الفوائد، ص ۲۷٤، جلد۲ عن الترمذی
(۲) بخاری، کتاب التفسیر، سورہ حشر
(۳) بخاری، باب ھجر النبی واصحابه الی المدینة

مجاہدین کے لیے غذا اور سواری کی قلت

مجاہدین اللہ کے راستے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ لڑنے چلتے، مگر سارے قافلے کا حال یہ ہوتا کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑتے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے تو اتنا کھانا میسر نہ تھا کہ اس سے سہارا بھی لے سکتے، ببول اور دوسرے درختوں کی پتیاں کھا کر جان بچائی، اس زمانہ میں ہمارے پاخانے بکری کی مینگنیوں کی طرح ہوتے تھے (۱)۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہم چھ آدمی ایک غزوہ میں روانہ ہوئے اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ہم لوگوں میں سواری کے لیے صرف ایک اونٹ تھا، جس پر ہم لوگ باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلتے چلتے ہمارے پاؤں پھٹ گئے اور ناخن گر گئے، نوبت یہ پہنچی کہ چلنا پھرنا مشکل ہوگیا، مجبور ہو کر ہم لوگوں نے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لیے (۲)۔

دنیا جانتی ہے کہ حکومت اپنی فوج اور رضا کاروں پر زیادہ سے زیادہ رقم صرف کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی اور جتنا آرام پہنچایا جا سکتا ہے آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے، مگر یہاں حال یہ ہے کہ فوج کے لیے سواری اور راشن تک کا بھی سامان نہیں ہے، بس اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سرور کونین ﷺ کی مالی حالت کا کیا معیار تھا۔

نبی کریم ﷺ نے حج کے لیے ہدی (قربانی کا جانور) بھیجا، تو اس کا قلادہ آپ ﷺ کی اہلیہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے ہاتھوں سے بنا، اور پھر آپ ﷺ نے خود پہنایا (۳)۔

مسجد نبوی ﷺ کا حال

مسجد نبوی ﷺ جو آج اپنی عمارت اور زینت و زیبائش میں بھی کسی مسجد سے کم نہیں، یہی مسجد عہد نبوی ﷺ میں جس حالت میں تھی اس کا اندازہ صرف اس حدیث سے

---

(۱) ریاض الصالحین، ص۳۳۶

(۲) مہاجرین، ص۳۱۹، جلد۱ بحوالہ کتاب الجهاد

(۳) بخاری، باب من الشعر وقلد بذی الحلیفه ثم احرم

لگائیں کہ جب کبھی بارش ہوتی، تو مسجد میں کیچڑ ہو جاتا، اور سید الکونین ﷺ سجدہ میں جاتے تو آپ ﷺ کی پیشانیِ انور پر کیچڑ کے نشان دیکھے جاتے (۳)۔

مسجد نبوی ﷺ میں منبر نہیں تھا، شروع میں آپ ﷺ کھجور کے ایک تنے کے سہارے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے، بعد میں ایک خاتون نے اپنے غلام سے بنوا کر منبر پیش کیا۔

غزوہ خندق کے موقع پر فاقہ

آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ جس وقت سرکار کائنات ﷺ خندق کھود رہے تھے، شکم مبارک پر دو دو پتھر باندھے ہوئے تھے، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگوں نے آپ ﷺ سے فاقہ کی شکایت کی اور اپنا پیٹ کھول کھول کر دکھایا کہ دیکھئے ہم سبھوں کے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنا دامن اٹھا کر پیٹ کھول دیا، دیکھا دو پتھر آپ ﷺ کے شکم مبارک پر بندھے ہوئے ہیں (۲)۔

کئی کئی دن آپ ﷺ کے گھر چولہا نہیں جلتا تھا، کھجور اور پانی پر پورے گھر کا گزارہ ہوتا۔

آنحضرت ﷺ اور ازواج مطہراتؓ کا لباس

سرورِ کونین ﷺ کا لباس موٹا جھوٹا ہوا کرتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک کملی اور ایک موٹا ازار نکال کر دکھایا، اور فرمایا، انھی دونوں کپڑوں میں سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی تھی (۳)۔

حضرت ام ایمنؓ کہتی ہیں کہ ایک دن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس دن آپ کے جسم پر جو کرتا تھا وہ بہت ہی معمولی اور صرف پانچ درہم کا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ذرا میری اس لونڈی کو دیکھو، گھر میں اس کرتے کو پہننے سے انکار کرتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے دورِ حیات میں میرے ہاں اس قسم کا ایک کرتا تھا، مدینہ میں شادی کے موقع پر جس عورت کو آراستہ کیا جاتا، اس کے لیے مجھ سے یہی کرتا مانگ کر لے جایا جاتا (۴)۔

---

(۱) بخاری کتاب الصوم
(۲) جمع الفوائد، ص ۲۷۵، جلد۲
(۳) ریاض الصالحین، ۲۴۸
(۳) بخاری، باب الاستعارۃ العروس عند البناء

آنحضرت ﷺ کی رہائش

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کاشانۂ نبوی ﷺ میں تشریف لائے، تو دیکھا سرکار دو عالم ﷺ ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، اور جسم مبارک پر تہبند کے سوا کچھ نہیں ہے، پہلوئے مبارک پر بدھیاں پڑ گئی ہیں، توشہ خانہ خالی پڑا ہے، صرف مٹھی بھر جو ہیں، جو اس میں رکھے ہیں، اس دل گداز منظر کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تاب نہ لا سکے، اور بے ساختہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے (۱)۔

اُسوہ حسنہ

ان حالات کا بغور مطالعہ کریں اور سوچیں، خدا کے آخری نبی کریم ﷺ کی گھریلو زندگی کا کیا معیار تھا۔ نہ آسودگی سے کھانا کھاتے، نہ اچھا اور قیمتی کپڑا پہنتے، نہ عمدہ بستر اور گھر کا سامان رکھتے، حد یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا بھی یہی حال ہوتا، کہ ان کی زندگی اس معاملے میں غمگین اور معمولی ہی ہوتی۔

دکھی مسلمانوں کے لیے آپ ﷺ کی زندگی کے اس پہلو میں بڑا عبرت انگیز سبق ہے، مگر اس کا یہ منشا بھی نہیں کہ مسلمان دولت حاصل نہ کریں، یہ خدا کی نعمت ہے، جائز طور پر ضرور حاصل کریں، اور اسلام کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق خرچ کریں، مگر جو مسلمان خلیفہ یا اپنی قوم کا سردار ہو، یا قوم وملک کی لیڈری اور راہ نمائی کا مدعی، اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ سونے چاندی کے بت اپنے گھروں میں جمع کر کے نہ رکھے کیونکہ خود آسودہ ہو کر آرام دِہ بستر پر سوئے اور قوم فاقہ مست، کانٹوں پر لوٹے، یہ کسی مسلمان لیڈر کو زیب نہیں دیتا۔

آنحضرت ﷺ کا افلاس اور اس کی وجہ

سرکار کائنات ﷺ غربت وافلاس ہی کی زندگی کو پسند فرماتے تھے، ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ ﷺ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا:

---

(۱) صحیح مسلم

«اللهم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین یوم القیامۃ» (جمع الفوائد، ص۲۷۳، جلد۲)

''اے اللہ! مجھ کو مسکین زندہ رکھ اور مسکین کی موت عطا کر، اور قیامت کے دن مساکین کے زمرہ میں میرا حشر فرما۔''

تو دریافت فرمایا یہ کیوں یارسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مساکین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، پھر آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ہدایت فرمائی کہ مسکین کو بالکل محروم نہ پھیرو، جو کچھ ہو سکے دے دو، پھر فرمایا: اے عائشہؓ! مسکینوں سے محبت کا اظہار کرو، ان کی عزت کرو، کہ قیامت میں اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تجھ کو نزدیکی عطا فرمائے گا (۱)۔

آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ اس کی دعا فرماتے کہ اے اللہ ضرورت بھر آلِ محمد ﷺ کو روزی عطا فرما، جس کا منشا یہ تھا کہ ان کو کسی کا دست نگر نہ بنا اور نہ ایسی حالت میں رکھ، کہ وہ کھائے بغیر مر جائیں۔

آنحضرت ﷺ مقروض

یہی وجوہ تھیں کہ آنحضرت ﷺ عموماً مقروض ہوتے، اگر کچھ آتا بھی تو اسے کسی غریب مسکین کو بخش دیتے، اور اسے جمع کر کے نہیں رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس حال میں وفات پائی کہ آپ ﷺ کی زرہ تیس صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس گروی (رہن) رکھی ہوئی تھی (۲)۔

قرض کے سلسلے میں ایک بدو کی گستاخی

آنحضرت ﷺ کے حلم وعفو کے سلسلے میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک دن ایک بدو آیا، جس کا آپ ﷺ کے ذمے کچھ قرض تھا، بدو تو عام طور پر وحشی اور تُند خو ہوتے ہی ہیں، آنے کے بعد ہی اس نے آپ ﷺ سے سخت کلامی شروع کر دی، اور یہ اپنی سخت کلامی میں اس حد تک بڑھ گیا کہ صحابہ کرامؓ کو اس کی بات بہت ناگوار گزری، اور

(۱) جمع الفوائد، ص ۲۷۳، جلد۲ (۲) جمع الفوائد، ص ۲۷۵، جلد۲

اس کو بہت ڈانٹا کہ تمھیں گفتگو کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا ہے، آپ ﷺ نے یہ سنا تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا یہ اپنا واجب الادا مانگ رہا ہے، ڈانٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر حکم دیا کہ اس کا مطالبہ پورا کر دیا جائے، چنانچہ اس کو فوراً وہ مل گیا[۱]۔

ایک یہودی مہاجن کی زیادتی

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جس زمانہ میں یہودی تھے اور اسلام قبول نہیں کیا تھا، مہاجنی کاروبار کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے یہاں بھی ان کے یہاں سے کچھ قرض آیا، ادائیگی کے لیے جو تاریخ مقرر تھی، وہ ابھی دُور تھی، کئی دن پہلے ہی مطالبہ کے لیے پہنچ گئے، اور آتے ہی آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچی، اور سخت سست جو ان کی زبان پر آیا، بول بھی گئے، آپ ﷺ سے بڑھ کر آپ ﷺ کے خاندان پر جُملے چست کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر بے تاب ہوگئے، اگر ان کو روکا نہ گیا ہوتا تو نہ معلوم کیا کر گزرتے، فوراً اس کا مطالبہ ادا کر دیا گیا اور جتنا تھا اس سے زیادہ دیا گیا[۲]۔

ان واقعات کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ دشمن کس کس بہانے سے اور کس کس طرح ستانے اور اذیت پہنچانے کی سعی پیہم کیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ ان کو کیسے تحمل اور صبر کے ساتھ برداشت فرماتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے مقربِ خاص اور آپ ﷺ کے گھر کے منتظم تھے، کتنی دشواریوں سے دوچار ہو کر نظم کرتے تھے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

یہودی تاجر کا تکلیف دہ غلط طعنہ

ایک دفعہ سرور کائنات ﷺ کو کپڑے کی ضرورت پیش آئی، گھر میں دام نہ تھے، حضرت عائشہؓ نے التجا کی فلاں تاجر کے یہاں سے ایک جوڑا کپڑا ادھار منگوا لیجیے، بعد میں قیمت بھیج دی جائے گی۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو اس پارچہ فروش کے یہاں

---

(۱) سیرۃ النبی، ص ۲۳۹، ج ۲

(۲) سیرۃ النبی، ص ۲۸۵، ج ۲، کوئی اس طرح کے واقعہ سے قرض لینے کو اچھا نہ سمجھیں، یہ انتہائی مجبوری کی بات تھی، بعد میں اللہ نے اسلام کو فروغ دیا، اور حالات بدلے۔

بھیجا، پارچہ فروش یہودی تھا، اس کو ایذ رسانی کا یہ اچھا موقع ہاتھ آ گیا، آپ ﷺ کے آدمی سے وہ یہودی تاجر کہنے لگا، ہاں میں سمجھ گیا، مطلب یہ ہے کہ کپڑے لے لیں اور قیمت نہ دیں، آنحضرت ﷺ نے اس یہودی کے جب یہ جملے سنے تو فرمایا، وہ یہودی اچھی طرح جانتا ہے کہ میں تمام لوگوں میں زیادہ امانت دار اور محتاط ہوں (۱)۔ یعنی اس نے از راہ شرارت اس طرح کے جملے کہنے کی جرأت کی ہے، حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اُسوہ حسنہ

یہ ہے دشمنوں کا سلوک، سرورِ کونین ﷺ کے ساتھ، جن کو پڑھ کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں، مگر ملاحظہ فرمائیں، سرورِ کائنات ﷺ کا سلوک، کہ کس طرح ان جگر خراش طعن و تشنیع کے بھرپور تیروں کا جواب، سنجیدگی اور متانت سے دیتے۔

کیا آپ ﷺ کی زندگی کے اس شعبہ میں دکھی انسانوں کے لیے کوئی سبق نہیں ہے؟ کاش مسلمان ان سے سبق حاصل کرتے، اور ساری تکلیفوں کو برداشت کرکے اسلام کے قوانین کو پھیلانے کی عملی سعی کرتے۔

❋......❋......❋......❋

(۱) سیرۃ النبی، ص ۲۸۶، ج۲

اپنے جاں نثاروں سے اذیت

جہاں سید الکونین رحمۃ للعالمین ﷺ کو دشمنوں اور مخالفوں سے قلبی اذیت پہنچی، وہاں بعض موقعوں پر اپنے لوگوں کی ناسمجھی سے بھی تکلیف ہوئی، مگر آپ ﷺ نے ان سے درگزر کیا، اوران کو معاف کردیا۔

غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ پڑھ آئے ہیں کہ آپ ﷺ نے چالیس پچاس آدمیوں کا ایک دستہ ایک پہاڑی راستے پر مقرر کردیا تھا اور تاکید فرمادی تھی کہ کسی حال میں اپنی جگہ نہ چھوڑنا، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا، بلکہ پہلے حملے میں مسلمان جب غالب آئے تو قائد دستہ کے سوا سبھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، جس سے آپ ﷺ خود کفار کے نرغہ میں آگئے، دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی انور زخمی ہوئی، اور مسلمانوں کو بے انتہا نقصان ہوا۔

ایک بدّو کا وحشیانہ سلوک

اسی طرح ایک دن ایک دیہاتی مسلمان نے تکلیف پہنچائی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مسجد سے نکل رہے تھے کہ ادھر سے ایک بدّو دوڑا ہوا آیا اور آپ ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر بہت زور سے کھینچنے لگا، میرے اونٹ کو غلہ سے بھر دو، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا،

آپ ﷺ نے فرمایا میری گردن کو جو تم نے تکلیف پہنچائی ہے، اس کا بدلہ دو، وہ قسم کھا کر کہنے لگا میں ہرگز بدلہ نہیں دوں گا، آپ ﷺ نے مسکرا کر حکم دیا کہ اس کے اونٹ کو کھجور اور جو سے لدوا دو، جس پر عمل کیا گیا(۱)۔

حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی غلطی

فتح مکہ کے موقع پر ایک مسلمان جن کا نام حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ ہے، انھوں نے ایک خط کے ذریعے آنحضرت ﷺ کے حملہ آور ہونے کی اطلاع مکہ والوں کو دینی چاہی جس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ہوگئی، فوراً آدمی بھیجا جو خط لے جارہا تھا، راستہ میں اس کو پکڑا گیا اور اس سے خط برآمد کیا گیا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے اس جرم کا اعتراف کیا، اور اپنی مجبوری اور عذر پیش کیا(۲)۔

چند صحابہؓ اعلان کے باوجود شریک جہاد نہ ہوئے

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ آج کل، آج کل کے پھیر میں لشکر اسلام سے پچھڑ گئے، تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے ان کو یاد کیا، معلوم ہوا یہ نہیں آئے، آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی، وہاں سے پھر جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت کعبؓ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے خفگی کے لب ولہجہ میں وجہ پوچھی، انھوں نے صحیح صحیح حالات بیان کردیے جس کی آپ ﷺ نے تصدیق بھی فرمائی، مگر فیصلہ رب العزت پر چھوڑ دیا، اس سلسلے میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیعہ عامریؓ سے پچاس دنوں تک آپ ﷺ نے اور تمام صحابہؓ نے ترکِ تعلقات کر لیا۔ وحی نے ان لوگوں کے جرم کی معافی کی جب بشارت دی، تو پھر آپ ﷺ نے اور صحابہؓ نے ان حضرات سے سابق سا تعلق قائم فرمایا(۳)۔

---

(۱) سیرۃ النبی، ص ۲۷۷، جلد ۲

(۲) بخاری، کتاب التفسیر

(۳) ریاض الصالحین، باب التوبہ

انصار مدینہ کی غلط فہمی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے جب بڑا عطیہ قبائل عرب اور قریش میں تقسیم فرمادیا، اور انصار مدینہ کو کچھ نہیں دیا، تو اس کا انصار کو غم ہوا، اور برملا اس سلسلے میں نکتہ چینی شروع ہوگئی، (انصار کہنے لگے کہ رسول خدا ﷺ نے عطیہ قریش کو دیا اور ہم کو محروم رکھا، حال آں کہ ہماری تلواروں سے اب تک خون ٹپک رہا ہے، کسی نے کہا مشکلات میں ہم سے کام لیا جاتا ہے اور مال غنیمت دوسروں کو ملتا ہے) اور ان میں سے کسی نے کہا آنحضرت ﷺ اپنی قوم سے مل گئے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آکر آنحضرت ﷺ کو ان باتوں کی اطلاع کی، اور بتایا کہ انصار رنجیدہ ہیں، وہ کہتے ہیں بڑی رقم غنیمت کی قریش کو بخش دی گئی اور انصار کو کچھ نہیں دیا، نبی کریم ﷺ نے حضرت سعدؓ سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں، آپ ﷺ نے ان سے کہا اپنی قوم کو فلاں جگہ جمع کرو۔ حضرت سعدؓ نے انصار کو جمع کیا، اس مجمع میں تھوڑے مہاجرین کو بھی آنے دیا گیا اور کچھ مہاجرین کو واپس کر دیا گیا، جب سب لوگ جمع ہوگئے تو حضرت سعدؓ نے جاکر آنحضرت کو اطلاع دی، آپ ﷺ تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:

آنحضرت ﷺ کو تکلیف اور انصار کو خطاب

''یا معشر الانصار! یہ کیا بات ہے کہ مجھ کو تم لوگوں کی طرف سے یہ افسوس ناک خبر پہنچی ہے کہ تم میری طرف سے غصے اور بددل ہو، کیا میں تم لوگوں میں اس وقت نہیں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے تمھاری ہدایت فرمائی، تم محتاج اور پریشان حال تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو غنا بخشی، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ نے تمھارے قلوب میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی۔''(۱)

''سب بول اٹھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بڑا احسان اور فضل وکرم ہے۔''

(۱) ریاض الصالحین، باب التوبہ

آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا، اے انصار! تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ انصار نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! ہم کیا جواب دیں، بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فضل واحسان ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم تم کو یہ کہنے کا حق ہے اور میں بھی تمھاری تصدیق کروں گا کہ ''تم ہمارے یہاں جھٹلائے ہوئے آئے، ہم نے تمھاری صداقت کا اقرار کیا، تم بے آسرا اور بے سہارا بن کر آئے، ہم نے تمہاری مدد کی، تم نکالے ہوئے آئے، ہم نے تم کو پناہ دی، تم بے یارومددگار آئے، ہم نے تیرے ساتھ غم خواری کا برتاؤ کیا۔

اے انصار! کیا تم دنیا کی معمولی سی لذت کے لیے رنجیدہ ہو جس کے ذریعے میں نے ایک قوم کی تالیف قلوب کی، تاکہ وہ مسلمان باقی رہیں اور تم کو تمھارے اسلام کے سپرد کر دیا، کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور'' تم محمد ﷺ کو لے کر گھر جاؤ''...... پھر آپ ﷺ نے انصار کے ساتھ اپنی دلی محبت کو بتایا اور فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے اعتبار سے تم میری نظر میں مخصوص ہو...... انصار اور پوری قوم رونے لگی، تاآنکہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور سبھوں نے کہا ہم اللہ کے رسول ﷺ سے ہر حال میں راضی ہیں[۱] (اور اپنی غلط فہمی کا اقرار کرتے ہیں)۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سفر پر تھے کہ ایک بدو آیا، اور اس نے اپنے وحشیانہ ڈھنگ میں بلند آواز سے پکارنا شروع کیا، یا محمد، یا محمد! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا، ہیں ہیں، یہ منع ہے[۲]۔

آبپاشی کے سلسلے میں تصفیہ پر

ایک نالے سے آبپاشی کے سلسلے میں ایک انصاری اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوگیا، صورت یہ تھی کہ پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کھیت تھا اور اس کے بعد انصاری کا، انصاری نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پانی چھوڑ دیں، تاکہ میں اپنا کھیت سینچ لوں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، جھگڑا بڑھا تو دونوں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر

---

(۱) زاد المعاد لابن القیم

(۲) اسوہ صحابہ، ص۱٤٦ بحوالہ الترمذی

ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فیصلہ یہ فرمایا کہ زبیر تم آبپاشی کرنے کے بعد پانی چھوڑ دو کہ تمہارا پڑوسی آبپاشی کرے، یعنی تم کو پانی روکنے کا حق نہیں ہے۔ ہاں پہلے تمھارا کھیت ہے، تم پہلے آبپاشی کا حق رکھتے ہو، انصاری کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ زبیر رضی اللہ عنہ کو آبپاشی کے لیے کیوں کہا۔ لہٰذا غصے ہوگئے اور آنحضرت ﷺ پر یہ الزام لگانے لگے کہ زبیر رضی اللہ عنہ چونکہ پھوپھی کے لڑکے ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے ایسا کہا(۱)۔

سرور عالم ﷺ انصاری کی اس بات سے بہت رنجیدہ ہوئے، ہمارے علمائے کرام کے لیے ان واقعات میں بڑا موثر سبق ہے۔

❋......❋......❋......❋

(۱) بخاری کتاب التفسیر مصری، ص ۸۱، ج ۳

قدرتی مصائب و آلام

رحمت عالم ﷺ نے اپنی زندگی میں ایسی مصیبتیں بھی برداشت کیں، جن کو قدرتی کہا جاسکتا ہے، جیسے عزیزوں کی دائمی جدائی، رفیقۂ حیات کی دائمی مفارقت، اولاد کی موت کا غم، اور بیماری کی تکلیف وغیرہ۔

کون سا انسان ہے جو غمگسار، باوفا اور جان نثار، رفیقۂ حیات پر جان نہ دیتا ہو، اور اس کی موت اس کے لیے رنج وغم اور قلبی دکھ کا باعث نہ ہو۔

رفیقۂ حیات کی موت

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رسول خدا ﷺ کی سب سے پہلی بیوی تھیں، نبوت کے ابتدائی دور میں حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی بڑی دل دہی کی تھی، اور جان نثاری کا پورا حق ادا کیا تھا، ان لوگوں میں سے تھیں جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے، مال دار بی بی تھیں، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کو تکلیف نہ ہونے دی، آنحضرت ﷺ کو اولاد بھی ان ہی سے ہوئی، اس لیے اور بھی آپ ﷺ کو ان سے طبعی محبت تھی، مگر ٹھیک اس وقت جب مکہ میں مصائب و آلام کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر برس رہی تھیں، اور رسول اکرم ﷺ اپنے شفیق چچا ابوطالب کی موت سے بظاہر لوگوں کی نگاہ میں بے سہارا ہو چکے تھے، ایسے نازک وقت میں حضرت خدیجہؓ کی موت کا واقعہ پیش آیا۔

جان نثار اہلیہ کی اچانک موت کا آپ ﷺ پر بے حد اثر پڑا، بلکہ اس سال کا نام ہی ''عام الحزن'' رکھ دیا گیا، جس کا مطلب تھا غم کا سال۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا، ان کی وفات کے بعد بھی عموماً ان کو یاد فرماتے رہے۔

گوشۂ جگر کی موت پر آنسو

رسول مقبول ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ نے ۸ھ میں وفات پائی، آپ ﷺ نے بذات خود ان کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا، حضرت زینبؓ کا جنازہ جس وقت قبر میں اتارا جانے لگا، بیٹی کی محبت نے آپ ﷺ کو حزن و ملال کا مرقع بنا دیا اور بے ساختہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن زبان مبارک سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا[1]۔

نواسے کی موت کا اثر

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ ﷺ کو اطلاع بھیجی، کہ ان کا لخت جگر (اور آپ ﷺ کا نواسہ) سخت بیمار ہے، آپ ﷺ نے قاصد سے فرمایا جا کر کہہ دو ''صبر کریں جس نے عطا کیا تھا، وہی لے رہے ہیں۔'' قاصد نے جا کر وہاں جواب پہنچایا، آپ ﷺ کی صاحب زادی چونکہ اپنے بچے کی نازک حالت سے بہت گھبرا چکی تھیں، پھر خدمت نبوی ﷺ میں خبر دی، کہ بچے کی حالت نہایت نازک ہے تشریف لائیں، چند صحابہ کے ساتھ بیٹی کے یہاں تشریف لے گئے، نواسۂ رسول ﷺ نزع کی حالت سے دو چار تھا، بچہ اٹھا کر آپ ﷺ کی گود میں ڈال دیا گیا، نواسے کی ٹوٹتی ہوئی سانس کا منظر دیکھ کر بے تاب ہو گئے، اور بے اختیار آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

صحابہ کرامؓ نے اس موقع پر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو بعض صحابہ بول اٹھے، یارسول اللہ ﷺ! یہ کیا؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، یہ جذبۂ رحمت ہے جو رب العالمین نے اپنے بندوں کو عطا کر رکھا ہے[2]۔

(۱) سیرۃ النبی، ص ۲۲۵، جلد ۲

(۲) ریاض الصالحین، ص ۲۹

لخت جگر کی موت کا صدمہ

آنحضرت ﷺ کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا، تو آپ کو بڑا ملال ہوا، اور وفور غم اور محبت میں فرمایا، آنکھیں روتی ہیں، قلب رنجیدہ ہے اور اے ابراہیم! میں تیری دائمی جدائی پر افسردہ اور ملول خاطر ہوں(۱)۔

اولاد کی موت

حضرت فاطمہؓ کے سوا آنحضرت ﷺ کی تمام صاحب زادیوں اور صاحب زادوں نے آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے اس دنیا کو الوداع کہا، مگر ہر موقع پر آپ ﷺ نے صبر وضبط سے کام لیا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے صلبی اولاد کو آنکھوں کے سامنے دم توڑتے ہوئے دیکھا، اور ان کی موت کا کوئی اثر نہ لیا، ہاں یہ بات ضرور ہوئی کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے ان تمام مواقع کو خدا کے ایک برگزیدہ اور وفادار بندہ کی حیثیت سے گزارا۔

اُسوہ حسنہ

ان واقعات میں ان غم رسیدوں کے لیے صبر وتحمل کا بڑا مفید سبق ہے، جن کو اپنی زندگی میں اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، سوچنا چاہیے کہ جب رحمۃ للعالمین سرکار مدینہ ﷺ کو اپنے عزیزوں اور محبوبوں کی موت کی تلخی چکھنی پڑی تو پھر کون ہے جو صاحب اولاد ہو، اور اس کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکے کہ اس کو رنج وغم کا موقع نہیں آئے گا۔

شدت بخار اور چوٹ کی تکلیف

رحمت عالم ﷺ نے مرض کی تکلیف بھی اٹھائی ہے، مگر آپ ﷺ نے ہر موقع پر صبر سے کام لیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیمار تھے، میں عیادت کے لیے حاضر خدمت ہوا، دیکھا کہ آپ ﷺ بخار سے جل رہے ہیں، میں نے کہا

(۱) ریاض الصالحین، ص ۴۰۹

یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو بہت سخت اور تیز بخار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تم درست کہتے ہو، مجھے تمہارے دو آدمیوں کے برابر بخار ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، یا حضرت! آپ ﷺ کو اتنا تیز بخار اس وجہ سے ہے کہ آپ ﷺ کو دوگنا ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں بخار کی یہ تیزی اسی وجہ سے ہے(۱)۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھوڑے سے گر گئے، جس کی وجہ سے ساق مبارک (پنڈلی) پر زخم آ گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کا غم

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر اور جان نثار صحابی ہیں، ان کو جس وقت جہاد میں کاری زخم لگا تھا، اور وہ زندگی سے مایوس ہو رہے تھے، دعا کی تھی:

''خدایا! قریش کی لڑائیاں باقی ہوں تو مجھے زندہ رکھ، ان سے لڑنے کی بڑی تمنا ہے کیونکہ انھوں نے تیرے رسول ﷺ کو اذیت دی ہے، ان کی تکذیب کی ہے اور مکہ سے نکال دیا ہے۔''

انھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جس وقت زخم پھٹ پڑا اور آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، آپ ﷺ گھبرا گئے، اپنا کپڑا گھسیٹتے ہوئے جلدی سے مسجد میں آئے، جہاں ان کا خیمہ نصب تھا، دیکھا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ رخصت ہو چکے ہیں، وفور محبت میں ان کی نعش کو اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئے، خون برابر بہہ رہا تھا، لوگ آ کر جمع ہونے لگے، پھر تجہیز و تکفین کا سامان کیا، اور دفن سے فراغت حاصل کی، مگر سرکار دو عالم ﷺ کا حال کیا تھا؟ خدا کا رسول ﷺ مغموم اور افسردہ تھا، ریش مبارک ہاتھ میں تھی، اور اس پر آنسو گر رہے تھے(۲)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کا اثر

اسی طرح سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ سخت بیمار تھے، سرکار دو عالم ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ ﷺ جس وقت ان کے پاس پہنچے ہیں، یہ شدت درد سے

(۱) ریاض الصالحین، ص۳۵

(۲) سیر انصار دوم، ص ۱۵، ۱۶

بے ہوش تھے، کسی نے کہا چل بسے، اور کسی نے کہا ابھی سانس چل رہی ہے، یہ سننا تھا کہ آپ ﷺ رو پڑے اور پھر ماتم برپا ہو گیا(۱)۔

شدت سردی

ایک غزوہ میں صحابہ کرامؓ نے ایک ٹیلے پر قیام فرمایا، اس شدت کی سردی پڑی، کہ بعض صحابہؓ نے زمین کھود کر گڑھا بنایا، اور جان بچانے کے لیے اس میں گھس پڑے اور اوپر سے ڈھال ڈال لی، آنحضرت ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا، آج شب ہماری حفاظت کون کرے گا؟ میں اس کو دعا دوں گا، ایک انصاری نے کہا میں یا رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے قریب بلا کر نام پوچھا، اور دیر تک دعا دیتے رہے، حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا سنی تو کہا میں دوسرا نگہبان بنوں گا۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی دعا دی(۲)۔

اُسوہ حسنہ

کہاں ہیں وہ کمزور دل مسلمان، جو ذرا سی مصیبت پر اللہ تعالیٰ کو کوسنے لگتے ہیں، اور شکر و صبر کی جگہ ان کی زبان پر گلہ و شکوہ کے جملے جاری ہو جاتے ہیں، رحمت عالم ﷺ کی زندگی کے اس حصے کو غور و فکر کی نگاہ سے پڑھیں اور سبق حاصل کریں۔

(۱) سیر انصار دوم، ص ۳٤ بحوالہ بخاری

(۲) اسوہ صحابہ بحوالہ مسند احمد بن حنبل، ص ۱۳٤، جلد٤

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ

سرور کونین ﷺ کے مصائب کی دل گداز داستان آپ نے جگر تھام کر پڑھی، تھوڑی دیر کے لیے ہر ایک چیز سے یکسو ہو کر غور کیجیے، کون سی ایسی اذیت، تکلیف، درد و دکھ اور مصیبت باقی رہ گئی، جو رحمت عالم ﷺ کو نہ پہنچائی گئی؟ جان، مال، آل اولاد، عزت، آبرو کس چیز پر مصیبت نہ آئی؟ اور پھر اپنے سے لے کر غیر تک، اور سردار سے لے کر غنڈہ تک میں کس نے معاف کیا؟ مکی زندگی میں نہ سہی، مدنی ہی زندگی میں ظاہری اطمینان کب نصیب ہوا۔

ایک منصف مزاج کا فیصلہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ رحمت عالم ﷺ کی ظاہری زندگی مصائب میں گھری ہوئی زندگی تھی، اور خود سرور کونین ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

«واو ذیت فی الله مالم یوذ احد قبلی» (جمع الفوائد، ص ۲۷٤، جلد۲)

''اللہ کے راستے میں جس قدر مجھے اذیت دی گئی کسی اور کو پہلے ایسی تکلیف نہ دی گئی۔''

اس سے بڑھ کر اور کس کی شہادت چاہیے، مگر سوچنا یہ ہے کہ ان ساری اذیتوں سے اللہ کے پیارے رسول ﷺ کیوں دو چار ہوئے؟ تاریخ و سیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ انسانیت بیمار ہو چکی تھی، اس کی مٹی پلید کی جا رہی تھی، اور دنیا نجات کے راستے سے دور

جا پڑی تھی، جس کی اصلاح بے حد ضروری ہو چکی تھی۔

رحمت عالم ﷺ اسی اصلاح کی غرض سے مبعوث ہوئے، اور پوری زندگی اسی میں صرف کر دی، آخری دین جس کا نام نامی ''اسلام'' ہے، دنیا کو اس نعمتِ عظمٰی سے مالا مال کر گئے، اور بیمارانِ انسانیت کو تندرستی اور صحت کا ان مٹ نسخہ ''قرآن'' عطا فرما گئے۔

رُوئے زمین پر کون سا ایسا مذہب ہے جس کے سمجھدار پیرو خاتم النبیین ﷺ کے گُن نہیں گاتے؟ اور کون سا مکتب خیال ہے جس نے تعلیمات نبوی ﷺ کی خوشہ چینی نہ کی؟ ہر ایک کو بقدر ظرف آفتابِ نبوت سے روشنی ملی، مل رہی ہے، اور ملتی رہے گی۔

مسلمانوں پر آخری نبی ﷺ کی امت ہونے کی حیثیت سے بڑی ذمہ داری ہے، ان واقعات کو جو لکھے جا چکے ہیں، عبرت کی نگاہ سے پڑھیں اور سبق حاصل کریں، مصائب النبی ﷺ پر ماتم نہ کریں، اپنا فریضہ یاد کریں، اور طے کر لیں کہ انھی مصائب سے دو چار ہو کر ہم کو بھی تبلیغ کا یہ فریضہ ادا کرنا ہے۔

ہمیں اسلام کے ایک ایک قانون پر خود بھی عمل کرنا ہے، اور دوسروں کو بھی اس راستے پر لانا ہے، اسی کے لیے ہمارا جینا ہے، اور اسی کے لیے مرنا۔

سیرت النبی ﷺ پر شاہکار کتابیں

خطبات و مقالات سیرت	پروفیسر عبدالجبار شاکر
ربیع الاول کے واقعات	پروفیسر عبدالجبار شاکر
مرقع سیرت	پروفیسر عبدالجبار شاکر
حیاتی حضورؐ دی (پنجابی)	اصغر علی جاوید
عہد رسالت میں اسلام اور نصرانیت کے تعلقات	ڈاکٹر فاروق حمادہ
سیرت خاتم النبیینؐ	ڈاکٹر ماجد علی خاں
عہد نبوی کا تمدن	ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی
مقالات سیرت طیبہ	جامعہ سلفیہ، بنارس
سیرت رحمت عالم	ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
حیات سرور کائنات	ملا واحدی
تاریخ تدوین سنت	ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب
کلکی اوتار اور حضرت محمدؐ	ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے
سیرت پیغمبر اسلام (فقہ السیرۃ)	علامہ محمد غزالی
دروس سیرت	ڈاکٹر سعید رمضان البوطی

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، پاکستان
فون: 042-37320318 فیکس: 042-37239884
kitabsaray@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 021-32212991, 32633887